نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ

نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

تمہید اس وقت تک نہرو رپورٹ اس قدر زیر بحث آچکی ہے کہ مجھے شاید اس سے بہ تفصیل روشناس کرانے کی ضرورت نہیں ہے- یہ رپورٹ ۱۲/ اگست ۱۹۲۸ء کو شائع ہوئی ہے اور اس وقت تک اس کی اشاعت پر ڈیڑھ ماہ گذر چکا ہے- میں نے ۸/ اگست سے ۸/ ستمبر تک ایک خاص درس قرآن کریم کا شروع کیا ہوا تھا- جس میں شامل ہونے کیلئے پانچ سو کے قریب زن و مرد ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تھے- اس لئے اس وقت تک تو میں اس کی طرف توجہ نہیں کر سکتا تھا- کیونکہ میرا سارا دن درس یا درس کی تیاری میں لگ جاتا تھا- اس کے بعد چند دن گذشتہ ماہ کے جمع شدہ کام کے نکالنے میں لگے- جب میں فارغ ہوا تو نہرو رپورٹ کی تلاش کی- لیکن باوجود تلاش کے اس کی کوئی کاپی میسر نہ آئی اور آخری اطلاع لاہور سے یہی آئی کہ تیسرا ایڈیشن چھپنے پر ہی یہ کتاب دستیاب ہو سکے گی- چونکہ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی مجھے اس کا بہت افسوس ہوا- لیکن کچھ کیا نہ جاسکتا تھا- اسی اثناء میں میرے گھر سے شملہ سے واپس آئے اور میں انہیں لینے کیلئے امرتسر کے سٹیشن پر گیا- اور میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ میں نے وہاں کے بک سٹال پر دو نسخے نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے دیکھے- غرض اس طرح ۲۱/ ستمبر کو مجھے نہرو رپورٹ کی کاپی ملی اور اسی وقت سے میں نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا- چونکہ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے- میں فوراً ہی "الفضل" کے ذریعہ سے اس

کے متعلق اپنی رائے کا باقساط اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو بعد میں اسے رسالہ کی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے گا۔

کیا نہرو کمیٹی کسی صورت میں بھی ہندوستان کی نمائندہ کہلا سکتی ہے

سب سے پہلے تو میں اس سوال کو لیتا ہوں۔ کہ کیا نہرو کمیٹی تمام ہندوستان کی نمائندہ کہلا سکتی ہے۔ اور اس کے فیصلہ کو اس عزت کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ جو ایک ملک کی نمائندہ کمیٹی کی رپورٹ کو حاصل ہونی چاہئے۔ اس سوال کا جواب دینے کیلئے میں خود اسی رپورٹ کے بیان کو لیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس رپورٹ کو پڑھ لینا ہی اس امر کے معلوم کرنے کیلئے کافی ہے کہ اس کمیٹی کو کسی صورت میں بھی ملک کی نمائندہ کمیٹی نہیں کہا جا سکتا۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہرو کمیٹی کو آل پارٹیز کانفرس (ALL PARTIES CONFERENCE) نے بمبئی کے مقام پر ۲۹ مئی ۱۹۲۸ء کو مقرر کیا تھا۔ یہ آل پارٹیز کانفرنس کیا تھی اور کس طرح وجود میں آئی۔ اس کا حال بھی اسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے فسادات کو دیکھ کر دسمبر ۱۹۲۶ء کے اجلاس میں نیشنل کانگریس نے گوہاٹی کے مقام پر ایک ریزولیوشن پاس کیا تھا کہ "ورکنگ کمیٹی (WORKING COMMITTEE) ہندو اور مسلمان لیڈروں سے مشورہ کر کے ایسی تجاویز کرے کہ جن کے ذریعہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جو قابل افسوس تنازعات ہو رہے ہیں' دور کئے جا سکیں اور ورکنگ کمیٹی اپنی رپورٹ ۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء سے پہلے پہلے پیش کرے۔"[۱]

اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ورکنگ کمیٹی ہندو اور مسلمان لیڈروں سے مشورہ کرتی رہی۔ لیکن اسی اثناء میں ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو بعض بڑے بڑے مسلمان لیڈروں نے دہلی کے مقام پر ایک اجتماع کیا اور ہندو مسلم فسادات کو مٹانے کے لئے بعض تجاویز شائع کیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان مشترک انتخاب پر رضامند ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ (۱) سندھ کو مستقل صوبہ بنا دیا جائے۔ (۲) صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو بھی وہی حقوق دے دیئے جائیں جو دوسروں صوبوں کو حاصل ہیں۔ (۳) پنجاب اور بنگال میں آبادی کی تعداد کے مطابق سب اقوام کو حقوق نیابت حاصل ہوں۔ (۴) مرکزی دارالنواب (لیجسلیٹو اسمبلی۔ LEGISLATIVE ASSEMBLY) میں مسلمانوں کو کم سے کم ایک تہائی نیابت ملے۔

ورکنگ کمیٹی نے ان تجاویز کے شائع ہوتے ہی ایک جلسہ کیا۔ اور ایک ریزولیوشن پاس کیا کہ وہ مسلمانوں کے اس فیصلہ پر خوش ہے کہ انہوں نے مشترک انتخاب کی تجویز کو منظور کر لیا ہے اور امید ہے کہ ان کی پیش کردہ تجاویز کو بطور بنیاد قرار دے کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتہ کرنے میں کامیابی ہو جائے گی اس کے بعد مئی ۱۹۲۷ء کو ورکنگ کمیٹی نے پھر ایک اجلاس کیا۔ اور مسلمانوں کی تجاویز کی بنیاد پر ایک زیادہ تفصیلی تجویز کو منظور کیا۔ اور ساتھ کے ساتھ انڈین کانگریس (INDIAN CONGRESS) نے بھی ورکنگ کمیٹی کی تجویز کو معمولی سی اصلاح کے بعد منظور کر دیا۔

آل انڈیا کانگریس نے اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا کہ اب ورکنگ کمیٹی کو کونسلوں کے ممبروں اور مختلف اقوام کی پولیٹیکل پارٹیوں سے مشورہ کر کے ایک سوراج کی سکیم تیار کرنی چاہئے۔ اور اس کی تیاری میں دوسری ایسی ہی یعنی سیاسی' مزدور پیشوں کی' تجارتی اور فرقہ وارانہ انجمنوں سے بھی تبادلہ خیالات کرنا چاہئے۔

اس کے معاً بعد لبرل فیڈریشن (LIBERAL FEDERATION) نے بھی ایک ریزولیوشن پاس کیا۔ جس میں اس نے مسلمان لیڈروں کے اعلان پر خوشی کے اظہار کے علاوہ یہ بھی پاس کیا کہ مسلمانوں کی تجویز کے متعلق مختلف اقوام کے باقاعدہ طور پر منتخب شدہ نمائندوں کو جلد سے جلد غور کر کے ایک متفقہ فیصلہ پر پہنچنا چاہئے۔

لبرل فیڈریشن کے جلسہ کے بعد مسلم لیگ نے بھی ایک جلسہ کیا۔ اور یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ لیگ کونسل (LEAGUE COUNCIL) ایک سب کمیٹی مقرر کرے۔ جو انڈین نیشنل کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ مل کر ہندوستان کے لئے ایک قانونِ اساسی تیار کرے۔ جس میں مسلمانوں کے حقوق کی پورے طور پر نگہداشت کر لی گئی ہو۔

آل پارٹیز کانفرنس میں شامل ہونے والی جماعتیں

ادھر تو لبرل فیڈریشن اور مسلم لیگ نے مندرجہ بالا ریزولیوشن پاس کئے ادھر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے کانگریس کے منشاء کے مطابق مختلف انجمنوں کو دعوتی رُقعے بھیجے جن میں سے مسلمانوں کی دو انجمنیں تھیں۔ ایک تو آل انڈیا مسلم لیگ۔ دوسری خلافت کمیٹی۔ اس کے مقابلہ میں پارسیوں کی چار انجمنوں کو دعوت دی گئی۔ ریاستوں کے باشندوں کی تین انجمنوں کو دعوت دی گئی۔ بقول نہرو رپورٹ کے مذکورہ

بالا انجمنوں میں سے بہتوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ اور ۱۲/ فروری ۱۹۲۸ء سے بائیس فروری تک دہلی میں اس کانفرنس کا اجلاس ہوتا رہا۔ اس کانفرنس نے جو ریزولیوشن پاس کئے' ان کے متعلق مسلم لیگ کی کونسل نے فوراً ہی اجلاس کر کے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ اور اس طرح یہ آل پارٹیز کانفرنس آل پارٹیز کانفرنس نہیں' بلکہ صرف ہندو کانفرنس رہ گئی۔ مسلم لیگ کی کونسل نے یہ بھی ریزولیوشن پاس کیا کہ اس کے نمائندے تمام جماعتوں کے نمائندوں پر زور دیں کہ وہ لیگ کے کلکتہ کے اجلاس کے ریزولیوشن کو قبول کر لیں۔ اور قانون اساسی کے بنانے میں حصہ لینے سے پہلے کونسل کے پاس رپورٹ کریں کہ انہیں اس امر میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے گویا اس طرح لیگ نے اپنے نمائندوں کو قانون اساسی کی بنانے والی کمیٹی میں حصہ لینے سے بھی روک دیا۔

نہرو رپورٹ کے مرتب کرنے والے لکھتے ہیں کہ مسلم لیگ کونسل کے اس فیصلہ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا۔ کیونکہ اس فیصلہ کی رو سے مسلم لیگ کے نمائندے کمیٹی کی رپورٹ پر غور ہی نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ مسلم لیگ کی پاس کردہ تجویز کو پورے طور پر تسلیم نہ کر لیا جاتا۔ یا لیگ کونسل دوبارہ نئی ہدایات نہ دیتی۔ ان حالات میں آل پارٹیز کانفرنس ۸/ مارچ کو پھر اکٹھی ہوئی۔ (گو یہ نہیں بتایا گیا۔ کہ اس دفعہ اس کانفرنس میں کون کون لوگ شامل ہوئے۔) اور دو سب کمیٹیاں ایک سندھ کی علیحدگی اور دوسری نسبتی نیابت کے مسئلہ پر غور کرنے کیلئے مقرر کی گئیں۔

۲۲/ فروری کو جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔ اس کی رپورٹ پر غور نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ مسلم لیگ کے نمائندوں نے اس پر بحث کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے کانفرنس نے رپورٹ کو شائع کرنے کا حکم دیا۔ اور ۱۹/ مئی ۱۹۲۸ء تک اپنے اجلاس کو ملتوی کر دیا۔ اسی دوران میں ہندو مہاسبھا نے بھی اپنا ایک جلسہ اپریل کے مہینہ میں کیا۔ اور مسلم لیگ کے فیصلہ کے بعض حصوں کی سختی سے مخالفت کی۔

آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاسِ بمبئی

۱۹ مئی کو آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس پھر بمبئی میں ہوا اور چونکہ اس وقت کے حالات کے ماتحت کسی متفقہ فیصلہ کی امید نہ ہو سکتی تھی' یہ تجویز کی گئی کہ ایک چھوٹی سی سب کمیٹی مقرر کی جائے جو سب امور پر یکجائی نظر ڈالے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک سب کمیٹی تجویز کی گئی۔

سر علی امام اور مسٹر شعیب قریشی مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کے پیش کرنے کیلئے۔ مسٹر اینی اور مسٹر جیاکار ہندو مہاسبھا کی نمائندگی کیلئے۔ مسٹر پردہان غیر برہمنوں کے نمائندہ کی حیثیت سے۔ سردار منگل سنگھ سکھ لیگ کی طرف سے۔ سر تیج بہادر سپرو لبرل فیڈریشن کی طرف سے۔ مسٹر جوشی مزدوروں کی طرف سے۔ ان کے علاوہ مسٹر سوباس چندر ابوس اور پنڈت موتی لال نہرو بھی اس کے ممبر تھے۔ گویا نو[۹] ممبروں میں سے دو مسلمان اور سات ہندو ممبر تھے۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سر علی امام بوجہ بیماری صرف ایک اجلاس میں شریک ہوئے۔ اور اس طرح گویا صرف مسٹر شعیب قریشی مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ رہے۔

آل پارٹیز کانفرنس تمام ہندوستان کی نمائندہ نہ تھی

اوپر کے حالات خود نہرو رپورٹ سے ہی لئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض کارروائیاں جو پس پردہ ہوتی رہی ہیں اور جنہیں اب بعض مسلم لیڈر شائع کر رہے ہیں' میں انہیں نظرانداز کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے مقصد کے حصول کیلئے خود یہی حالات کافی ہیں۔ ان حالات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹی ہرگز تمام ہندوستان کی نمائندہ نہ تھی۔ چند آدمی اپنی مرضی سے ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ جن میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو آپ ہی لیڈر قرار دے لیا تھا۔ نہ مختلف صوبوں کی نمائندگی اس میں ہوئی نہ مختلف جماعتوں کی۔ مثال کے طور پر میں اپنی ہی جماعت کو لیتا ہوں۔ ہماری جماعت سے شروع سے لیکر آخر تک کسی نے نہیں پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حالانکہ ہم تعداد میں کس قدر بھی کم ہوں مگر پارسیوں سے زیادہ ہیں اور آل انڈیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ہماری مضبوط جماعتیں تین صوبوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی پنجاب' بنگال اور صوبہ سرحدی۔ اس کے علاوہ بہار' یوپی' مدراس اور سندھ میں بھی معقول جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں تو ہر صوبہ میں ہیں۔ ہماری جماعت منظم ہے اور رجسٹر شدہ تعداد کے لحاظ سے اور نظام کے لحاظ سے تو شائد کوئی ہندو سوسائٹی بھی اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ آل پارٹیز کانفرنس کے نمائندے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے کیونکہ ہماری جماعت اپنے مذہبی اور سیاسی مسائل کو ایک ہی پلیٹ فارم پر طے کرتی ہے۔ اور محض اس وجہ سے کہ ہمارے نزدیک مذہب' سیاست اور تمدن کی ضروریات کے لئے الگ الگ انجمنوں کی ضرورت نہیں ہے ایک ہی مجلس میں ان مسائل پر بحث ہو سکتی ہے بلکہ

بہتر طریق پر ہوتی ہے ہمیں اپنے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہماری جماعت کو نظر انداز کر دو۔ اس کمیٹی کا اصل کام ۱۹۲۸ء سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت مسلم لیگ کے دو حصے ہو چکے تھے۔ ایک لاہور کی آل انڈیا لیگ کہلاتی ہے اور ایک کلکتہ کی۔ رپورٹ سے کہیں معلوم نہیں ہوتا۔ کہ لاہور کی لیگ کی نمائندگی کی بھی کوشش کی گئی۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ جات کی لیگوں کی نمائندگی کیلئے کوشش کی گئی۔ حالانکہ جن مسائل پر اختلاف زیادہ بھیانک صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ وہ آل انڈیا مسائل نہیں ہیں' بلکہ صوبہ جات کے مسائل ہیں۔ پس خالی آل انڈیا کی مسلم لیگ کے دونوں حصوں کی نمائندگی بھی کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ آل پارٹیز کانفرنس کبھی آل پارٹیز کانفرنس نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ وہ سب قسم کے خیالات کے لوگوں کو دعوت نہ دے۔

نہرو رپورٹ ہندوستان کے لئے دو مجالس کی تجویز کو پیش کرتی ہے۔ ایک جس میں کُل ہندوستان کے نمائندے براہ راست چُنے جائیں۔ اور دوسری سینٹ (SENATE) جس میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی نقل میں صوبہ جات کی کونسلیں اپنے نمائندے بھیجیں۔ [۲] اگر معمولی قسم کے قوانین کے لئے جو وقتی اور جزئی ہونگے' دو قسم کی نمائندگی کی ضرورت ہے تو کیا کانسٹی ٹیوشن (CONSTITUTION) کے سوال کے متعلق اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ صوبہ جات کی لیگز کے نمائندے بھی طلب کئے جاتے تاکہ وہ اپنے اپنے نقطہ نگاہ کو پیش کر سکیں۔ کیا یہ بات آل پارٹیز کانفرنس کی نظر سے پوشیدہ تھی کہ کئی صوبہ جات کی کثرت مرکزی انجمن کی کثرت کے مخالف ہے۔ پھر مرکزی انجمن کی نمائندگی قانونِ اَساسی کے حل کے لئے کس طرح کافی ہو سکتی تھی۔ مثال کے طور پر پنجاب' بنگال' سندھ' یوپی اور صوبہ سرحدی کے مسلمانوں کو لے لو۔ ان میں سے اکثر کے خیالات نیابت کے طریق کے متعلق کلکتہ لیگ سے مختلف ہیں۔ پھر کلکتہ لیگ کے نمائندے ان لوگوں کے نمائندے کس طرح ہو سکتے تھے۔ آل پارٹیز کانفرنس اگر ملک کی نمائندہ کہلانا چاہتی تھی۔ تو اسے چاہئے تھا کہ ہر ایک صوبہ کی انجمنوں کو بھی دعوت دیتی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھتی کہ ان کی طرف سے جو نمائندے آئیں وہ صرف اکثریت کے نمائندے نہ ہوں۔ بلکہ اقلیتوں کے نمائندے بھی شامل ہوں تاکہ ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے خیالات کو سننے کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچا جائے۔ لیکن نسبتی نیابت کی حمایت کا دعویٰ کرنے والے کرتے ہیں تو کیا،صرف ان انجمنوں کو دعوت دیتے ہیں جو

اصولاً ہندو نقطۂ نگاہ سے متفق ہیں۔ یعنی مشترک انتخاب کے حامیوں کو۔ ان انجمنوں کے ناموں کو پڑھ جاؤ جن کے نام نہرو رپورٹ کے صفحہ ۲۰ و ۲۱ پر لکھے ہیں۔ ایک انجمن بھی ان میں ایسی نہیں ہے کہ جو جُداگانہ انتخاب کی حامی ہو۔ پس صرف ان انجمنوں کو بلانا جو پہلے سے اس اصل پر متحد تھیں۔ جس کے متعلق ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ اختلاف رکھتا ہے کیا یہ نہیں بتاتا کہ یہ کانفرنس آل پارٹیز کانفرنس نہ تھی بلکہ ایک خیال کی مختلف جماعتوں کی کانفرنس تھی۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس شملہ

اس سوال کی حقیقت اس واقعہ کے یاد کرنے سے پوری طرح کھل جاتی ہے جسے نہرو کمیٹی نے دبا دیا ہے۔ اور وہ شملہ کے مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس ہے۔ نہرو کمیٹی نے اس امر کا تو ذکر کیا ہے کہ دہلی میں مسلم لیڈروں نے ایک جلسہ کر کے بعض شرائط کے ماتحت مخلوط انتخاب کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن یہ ذکر وہ بالکل چھوڑ گئی ہے کہ اس مشورہ کو قوم کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس بھی شملہ کے مقام پر منعقد کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب چند مسلم لیڈروں نے دہلی میں مخلوط انتخاب کو بعض شرائط کے ساتھ تسلیم کر لیا تو اس پر ہندوستان میں بہت چہ میگوئیاں ہوئیں۔ اور ان لیڈروں کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کا اکثر حصہ ان کی اس تجویز سے متفق نہیں ہے۔ اسی عرصہ میں ناگپور میں ہندو مہاسبھا کا جلسہ ہوا۔ اور اس میں مسٹر کیلکر نے بحیثیت پریزیڈنٹ ایک تقریر کی۔ جس میں مسلمانوں کے مطالبات کے متعلق ایسا رویہ اختیار کیا کہ بعض مسلم لیڈر اپنی غلطی کو محسوس کرنے لگے۔ اس پر مسلم لیگ نے ستمبر ۱۹۲۷ء میں شملہ میں ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے نمائندوں کو بلایا۔ اور اپنی دعوت کو صرف لیگ کے ممبروں تک محدود نہ رکھا۔ مجھے بھی اس موقع پر دعوت دی گئی۔ میں ایسی مجالس میں جایا تو نہیں کرتا۔ لیکن اس وقت چونکہ اتفاقاً مذہبی مسودہ قانون کی بابت کوشش کرنے کے لئے میں شملہ گیا ہوا تھا میں بھی اس آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شامل ہوا۔ دو دن کی بحث کے بعد ایک زبردست اکثریت جُداگانہ انتخاب کی تائید میں ثابت ہوئی۔ اور اگر ووٹ لئے جاتے تو یقیناً ۷۰ فیصدی ممبر جُداگانہ انتخاب کی تائید میں ہوتے۔ جو لوگ مخلوط انتخاب کی تائید میں تھے ان میں سے بھی اکثر نے اقرار کیا کہ ان کی ذاتی رائے مخلوط انتخاب کی تائید میں ہے۔ لیکن ان کے ہم وطنوں کی رائے جُداگانہ انتخاب کے حق میں ہے۔ وہ ایک قابل دید نظارہ تھا۔ مسٹر جناح کی

تمام کوششوں کے باوجود مختلف صوبہ جات اور مختلف جماعتوں کے نمائندے جداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ آخر مسٹر جناح نے جو پریذیڈنٹ تھے' اٹھ کر صاف لفظوں میں کہا کہ ووٹ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کوئی باقاعدہ ایسوسی ایشن نہیں۔ وہ مسلمانوں کی عام رائے کو سمجھ گئے اور باوجود اس کے کہ ان کی رائے مخلوط انتخاب کے حق میں ہے مگر وہ مسلمانوں کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں سے سمجھوتہ کے وقت اس امر کو پیش کریں گے' جس طرف مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

یہ کانفرنس دہلی کے بیس مسلم لیڈروں کے فیصلہ پر غور کرنے کیلئے بیٹھی تھی۔ اور اس میں مخالف اور موافق ہر قسم کے خیالات کے لوگ تھے۔ لیکن باوجود اس کے سامنے نہ مدراس کانگرس کے ریزولیوشن تھے۔ اور نہ نہرو کمیٹی کے بلکہ دہلی کے مسلم لیڈروں کی تجویز تھی۔ جو مدراس کانگریس اور نہرو کمیٹی کی نسبت مسلمانوں کی رائے کے بہت زیادہ قریب تھی۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے نمائندوں کی ایک زبردست اکثریت نے اسے رد کر دیا۔ حتیٰ کہ خود اس تجویز کے مُجوِّزوں میں سے بھی بعض آدمی جیسے کہ سر محمد شفیع اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ پس جب کہ مسلمانوں کا ایک اجتماع مخلوط انتخاب کی تجویز کو رد کر چکا تھا۔ تو اس سے یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت مخلوط انتخاب کے مخالف ہے۔ پھر باوجود اس کے آل پارٹیز کانفرنس نے کیوں ان مخالف خیال والوں کو دعوت نہیں دی۔ اگر نہیں دی تو بھی وہ تمام خیالات کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔ اور اگر دی اور انہوں نے اس دعوت کو رد کر دیا تو بھی ثابت ہوا کہ ہندوستان کی ایک زبردست قوم کی اکثریت کو اس آل پارٹیز کانفرنس پر کسی قسم کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ حتی کہ وہ اس کے جلسوں میں شامل ہونا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ پس اس کانفرنس کو ہندوستان کا نمائندہ کون کہہ سکتا ہے۔

مگر میں جو واقعات اوپر نہرو رپورٹ سے نقل کر آیا ہوں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کانفرنس کلکتہ لیگ کی بھی جو درحقیقت ایک ہی مسلمانوں کی آواز تھی نمائندہ نہ تھی۔ کیونکہ نہرو رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اپنے نمائندوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ جب تک کلکتہ سیشن (SESSION) کے پاس کردہ ریزولیوشن کو پہلے تسلیم نہ کر لیا جائے' اس وقت تک وہ اس کی کارروائی میں حصہ نہ لیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس ریزولیوشن کو لیگ نے کب مسترد کیا؟ نہرو رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدایت کو کبھی

بھی مسترد نہیں کیا گیا۔ پس جب اس ہدایت کو مسترد نہیں کیا گیا تو بمبئی کانفرنس کی تجویز کے ماتحت جو سب کمیٹی بنی تھی‘ اس میں مسلم لیگ کے نمائندے اسی ہدایت کے ماتحت ممبر ہوئے تھے نہ کہ اس سے آزاد ہو کر۔ اور وہ ہدایت یہ تھی کہ کلکتہ لیگ کے ریزولیوشن کو کلی طور پر تسلیم کئے بغیر مسلم لیگ قانون اساسی پر غور کرنے کیلئے تیار نہیں۔ بمبئی کانفرنس کے دوران میں یا اس کے بعد کوئی جلسہ لیگ کا ایسا نہیں ہوا جس میں اس شرط کو توڑ دیا گیا ہو۔ پھر کس طرح جائز ہو سکتا تھا کہ لیگ کے نمائندے اپنے اختیار سے باہر جا کر کوئی کام کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا نہرو کمیٹی نے کلکتہ ریزولیوشن کو کُلّی طور پر تسلیم کیا۔ وہ خود اقرار کرتی ہے کہ نہیں۔ [۳۳] مسلم نمائندے تسلیم کرتے ہیں کہ نہیں۔ اور اگر نہرو کمیٹی نے کلکتہ ریزولیوشن کو تسلیم نہیں کیا تو لیگ کے فیصلہ کے مطابق اس کے نمائندوں کو اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کی اجازت ہی کب ہو سکتی تھی۔ اور اگر وہ باوجود کونسل کی ہدایت کے اس کمیٹی کے اس فیصلہ کے بعد کہ کلکتہ کی تجویز میں تبدیلی کر دی جائے۔ اس کمیٹی کے ساتھ بیٹھتے رہے ہیں تو یقیناً وہ لیگ کے نمائندے نہ تھے۔ وہ لیگ کونسل کے فیصلہ کے مطابق اسی وقت سے لیگ کی نمائندگی سے علیحدہ ہو گئے تھے جب سے انہوں نے کلکتہ ریزولیوشن کے خلاف فیصلہ کو سن کر کمیٹی سے قطع تعلق نہیں کیا۔ اور اس صورت میں یہ بات خوب اچھی طرح ظاہر ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ حصہ جو مسٹر جناح کی صدارت میں کام کرتا ہے‘ اس کی نیابت بھی اس کمیٹی کو حاصل نہ تھی۔ اور اس طرح یہ کمیٹی مسلمانوں کے نمائندوں سے بالکل خالی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مولانا شوکت علی‘ مسٹر محمد یعقوب حسرت موہانی‘ مولوی شفیع داؤدی اور دوسرے مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے سرکردہ ممبر نہرو کمیٹی کی مخالفت کر رہے ہیں۔

مجھے اس تفصیل سے اس مسئلہ پر اس لئے لکھنا پڑا ہے کہ میں نہایت ہی تکلیف سے دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے کروڑوں لوگوں کو گائے اور بیل کی طرح ہانکا جا رہا ہے۔ سَو دو سَو آدمی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے فیصلہ کو بڑے موٹے لفظوں میں ہندوستان کے لیڈروں کا فیصلہ قرار دے کر شائع کر دیتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ لیڈر ان لوگوں کو کس نے بنایا ہے۔ دنیا کے کسی اور ملک میں اس سے زیادہ ذلت اور حقارت جمہور کی نہیں کی جاتی۔ فرض کر لیا جاتا ہے کہ باقی سب ملک چند آدمیوں کی جائیداد ہے۔ وہ اس سے جس طرح چاہئیں معاملہ کریں۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے پچھلے سال یونیٹی کانفرنس

(UNITY CONFERENCE) میں دیکھا کہ مجتمع شدہ لوگوں میں سے بھی بعض کو بعض لوگ ڈانٹتے تھے کہ اپنے لیڈروں کی قدر کیوں نہیں کرتے اور ان کی بات کیوں نہیں مانتے۔ میرا دل کئی بار چاہا کہ پوچھوں کہ کیوں صاحب ان بعض احباب کو باقی لیڈروں کا لیڈر کس نے بنایا ہے مگر آداب مجلس کی وجہ سے خاموش رہا۔ مگر میں نے اس بنا پر شملہ میں ایک لیکچر دیا اور اس میں یہ بیان کیا کہ ہندوستان لیڈروں کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ پیروؤں کی کمی کی وجہ سے نقصان اٹھا رہا ہے۔ ہر اک جو سیاست میں کچھ حصہ لیتا ہے اپنے آپ کو لیڈر سمجھنے لگتا ہے۔ اور کبھی خیال نہیں کرتا کہ میرے پیچھے کوئی جماعت ہے بھی یا نہیں۔ سائمن کمیشن کی آمد پر جو میں نے ٹریکٹ شائع کیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے لکھا تھا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شہر اور قصبہ میں مسلمان اپنی انجمنیں بنائیں اور تمام مختلف الخیال مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں اور پھر ہر ایک تجویز کے متعلق ہر شہر اور قصبہ سے آواز بلند ہو تا کہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کی عام رائے کیا ہے۔ اور بعض بلند آہنگ لوگ اپنی رائے کو مسلمانوں کی رائے نہ قرار دے سکیں۔

آل انڈیا کانفرنس یا نہرو کمیٹی ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ نہ تھی

اب میں پھر اصل مضمون کی طرف آتا ہوں کہ نہ آل انڈیا کانفرنس ہندوستان کی نمائندہ تھی اور نہ نہرو کمیٹی مسلمانوں کے کسی فریق کی ہی نمائندہ تھی۔ ایک خاص خیال کے لوگوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اور اس میں سے بھی مسلمانوں کی نیابت کو عملاً خارج کر کے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی۔ جس کی رپورٹ اب ہندوستان کے نمائندوں کی رپورٹ کے نام سے مشہور کی جا رہی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ نہرو کمیٹی یا آل پارٹیز کانفرنس سب فرقوں اور جماعتوں کی نمائندہ نہ سہی لیکن اگر وہ ایک ایسی رپورٹ پیش کرتی ہے جس میں مختلف اقوام کے حقوق کی نگہداشت کر دی گئی ہے تو کیا اسے روک دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ اگر وہ رپورٹ ایسی ہی ہے تو ہم اسے ضرور قبول کریں گے۔ لیکن ہماری بے اعتباری جو اس وقت تک ہندو مسلم فسادات کا سب سے بڑا موجب ہے اور بھی بڑھ جائے گی اور ہمارے دل ضرور یہ کہیں گے کہ جب قانون اساسی کے بناتے ہوئے مسلمانوں کی نیابت کا خیال نہیں رکھا گیا تو آئندہ چھوٹے

قوانین بناتے ہوئے مسلمانوں کے احساسات کا خیال کب رکھا جائے گا مگر بہرحال چونکہ رپورٹ ہمارے سامنے آگئی ہے۔ اس لئے اس کے حسن و قبح کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اور میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اس پر غور کرنے کے بعد بھی میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سکیم ہرگز ملک کیلئے مفید نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو اس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

مسلمانوں کے مطالبات اور ان کے بواعث

پیشتر اس کے کہ میں نہرو رپورٹ کی تجاویز پر بحث کروں۔ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبات کیا ہیں اور کیوں ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں میں سیاسی نقطہ نگاہ سے دو پارٹیاں ہیں۔ ایک پارٹی جو زیادہ تر پنجاب اور یو۔ پی کے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے اصولی مطالبات جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہیں کہ آئندہ ہندوستان کیلئے جو قانون اساسی تیار ہو۔ اس میں ان امور کو مد نظر رکھا جائے۔

پہلا مطالبہ، اتحادی حکومت

پہلا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت کا طریق فیڈرل (FEDERAL) یا اتحادی ہو۔ یعنی تمام صوبہ جات کامل طور پر خود مختار سمجھے جائیں۔ برطانیہ جس قدر اور جس وقت اپنا قبضہ کم کرتا جائے۔ اس کے چھوڑے ہوئے اختیارات مختلف صوبہ جاتِ ملک کو ملتے جائیں۔ ہاں چونکہ ملک کے انتظام کے لئے ایک مرکزی نظام کی بھی ضرورت ہے۔ جو امور مشترک ہوں وہ ہندوستانی مرکزی حکومت کے سپرد صوبہ جات کی طرف سے کئے جائیں۔ گویا یہ نہ سمجھا جائے کہ ہندوستانی مرکزی حکومت صوبہ جات کو اختیار دیتی ہے۔ بلکہ یہ سمجھا جائے کہ صوبہ جات ایک منظم گورنمنٹ کے چلانے کے لئے اپنے بعض اختیارات ایک مرکزی حکومت کو دیتے ہیں۔ اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے جو ایک مجرّب اصل ہے۔ اور امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ، سوئٹزرلینڈ، ساؤتھ افریقہ اور آسٹریلیا میں نہایت کامیاب صورت میں جاری ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فارن معاملات، افواج کے انتظام، ڈاک خانہ، کسٹمز وغیرہ کے علاوہ باقی سب معاملات کا فیصلہ ہر صوبہ کی کونسلیں اپنی ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر کریں گی۔ اور مرکزی حکومت کو ان کے کاموں میں دخل اندازی کا حق نہ ہو گا۔

مسلمان اس مطالبہ کو اس لئے پیش کرتے ہیں کہ ہر قوم کو اپنے طور پر ترقی کرنے کا

موقع ملے۔ اور تا کہ باوجود اس کے کہ مسلمان بعض صوبوں میں کثیر التعداد ہیں۔ ہندوستانی مرکزی گورنمنٹ کی دخل اندازی کا شکار نہ ہوں جس میں ہندو اکثریت ہوگی۔ اب فرض کرو کہ بنگال، پنجاب، سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ لیکن اگر فیڈرل حکومت کا طریق ہندوستان میں رائج نہ ہوگا تو ہندوستان کی مرکزی حکومت کو ہر وقت اختیار ہوگا کہ وہ ان صوبوں کی ترقی میں روک بن جائے اور آئے دن ان کے انتظام میں نقص نکال کر ان کے بعض اختیارات کو واپس لے لے یا ان کے پاس کردہ قوانین کو رد کر دے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی اکثریت کا کچھ بھی فائدہ نہ رہے۔ یہ ایک خیالی شُبہ نہیں ہے۔ بلکہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ نے اس شُبہ کو قوی کر دیا ہے۔ نہرو کمیٹی سندھ کی علیحدگی پر بحث کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

"ہمیں شُبہ ہے کہ علیحدگی (سندھ) کی مخالفت کسی بڑے قومی خیال کی بنا پر نہیں ہے بلکہ مالی اقتصادی خیالات پر مبنی ہے۔ ہندوؤں کو ڈر ہے کہ اگر ایک جُداگانہ صوبہ میں مسلمانوں کو اختیارات حاصل ہوئے تو ہندوؤں کی اقتصادی برتری کو نقصان پہنچے گا ہمیں یقین ہے کہ یہ خوف بِلاوجہ ہے۔ ہندوستان کے تمام باشندوں میں سے سندھ کا ہندو اقدام و نفوذ کا مادہ سب سے زیادہ رکھتا ہے۔ سیاح اسے دنیا کے ہر گوشہ میں نہایت کامیاب تجارت کرتا ہوا اور اپنی کمائی سے اپنے ملک کی دولت بڑھاتا ہوا پاتا ہے۔ کوئی شخص اس اقدام کی طاقت کو سندھ کے ہندوؤں سے چھین نہیں سکتا۔ اور جب تک یہ طاقت ان میں موجود ہے۔ اس وقت تک ان کا مستقبل بالکل محفوظ ہے۔ نیز اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صوبہ جات کی حکومتوں کے اختیارات محدود ہونگے۔ اور ایک مرکزی حکومت موجود ہوگی جو تمام اہم محکمہ جات کے متعلق اختیار رکھتی ہوگی۔"[۴]

اول تو اس عبارت کو پڑھ کر اور دوسری طرف مسلمانوں کے خوف کے متعلق نہرو رپورٹ نے جو کچھ لکھا ہے اسی سے انسان معلوم کر لیتا ہے کہ مسلمانوں سے کس قسم کی ہمدردی کی جائیگی۔ کیونکہ جہاں ہندوؤں کے خوف کو اس محبت اور ادب سے دور کیا ہے۔ مسلمانوں کے خوف کے متعلق اسی رپورٹ میں لکھا ہے۔

"ایک نو وارد ان اعداد کو دیکھ کر اور مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگا کر غالباً یہی خیال کرے گا کہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کے خود قابل ہیں۔ اور انہیں کسی خاص

حفاظت اور چمچوں کے ذریعہ سے دودھ پلانے کی ضرورت نہیں۔"۵ے

گویا کہ مسلمان کے جذبات اس رپورٹ کے لکھنے والوں کے نزدیک کچھ بھی قیمت نہیں رکھتے جب کہ ہندو کا دل دکھانا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر اس کے علاوہ اوپر کے حوالہ سے یہ بھی صاف طور پر عیاں ہے کہ رپورٹ لکھنے والے سندھ کے ہندوؤں کو تسلی دلاتے ہیں کہ وہ سندھ میں مسلمانوں کی کثرت سے نہ گھبرائیں۔ کیونکہ اوپر ہم جو مرکزی گورنمنٹ والے موجود ہیں۔ جب اور جس وقت تمہاری اقتصادی برتری کو صدمہ پہنچنے لگے گا ہم دخل اندازی کر دیں گے۔ گو لفظ ایک حد تک احتیاط کے استعمال کئے گئے ہیں۔ مگر یہ مضمون بین السطور واضح ہے کہ مرکزی گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں طاقتیں اسی لئے رکھی ہیں تاکہ صوبہ جات میں ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے۔ ہم خود نہیں چاہتے کہ کسی کا حق مارا جائے مگر ہمیں یہ شُبہ ہے کہ مرکزی گورنمنٹ مسلم اکثریت والے صوبوں کے کاموں میں صرف اسی وقت دخل نہ دے گی جب کہ ہندوؤں کے حقوق تلف ہو رہے ہوں بلکہ بیجا دخل دے کر مسلمان صوبوں کو ترقی کے راستہ سے روک دے گی اور مسلمانوں کی ترقی کی تدابیر کو اختیار نہ کرنے دے گی۔ جس طرح کہ پچھلے زمانہ میں یورپین طاقتیں ٹرکی میں مسلمانوں کی ترقی کے راستہ میں روک ڈالا کرتی تھیں۔ لیکن یہی وجہ نہیں کہ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کی وسعت اور اس کی زبانوں اور قوموں اور عادات کا اختلاف چاہتا ہے کہ ہر صوبہ الگ الگ آزادانہ ترقی کرے۔ ملکی حکومت کبھی بھی ہندوستان کیلئے مفید نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس صورت کے کہ فیڈرل اصول پر ہو۔ اور فیڈرل یعنی اتحادی اصول پر حکومت کوئی غیر مجرّب شے نہیں ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اس اصل پر حکومت کر رہی ہیں۔ اور اس وقت سب دنیا کی حکومتوں سے طاقتور اور مالدار ہیں۔ ہاں یہ قانون ضرور ہونا چاہیئے کہ صوبہ جات کو کسی وقت اور کسی صورت میں بھی مرکزی حکومت سے علیحدہ ہونے کا اختیار نہ ہوگا۔ یہ ذمہ داری ہر ایک صوبہ اپنے اوپر لے لے گا تو ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا کوئی احتمال نہ رہے گا۔ جیسا کہ ایک وقت ریاستہائے متحدہ کو خطرہ ہوا کرتا تھا۔

دوسرا مطالبہ 'نیابت'

دوسرا مطالبہ اس پارٹی کا یہ ہے کہ مختلف اقوام کی نیابت کے متعلق اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے کہ جن صوبوں میں کہ کسی قوم کی اقلیت کمزور ہے۔ ان میں اس کے ہر قسم کے خیالات کے لوگوں اور ہر قسم کے فوائد کی نیابت

کا راستہ کھولنے کے لئے جس قدر ممبریوں کا اسے حق ہو۔ اس سے زیادہ ممبریاں اسے دے دی جائیں۔ لیکن جن صوبوں میں کہ اقلیت والی قوم یا اقوام مضبوط ہوں۔ وہاں انہیں ان کی اصلی تعداد کے مطابق حق نیابت دیا جائے۔ کیونکہ ان صوبوں میں اگر اقلیت کو زیادہ حقوق دیئے گئے تو اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس اصل کے ماتحت پنجاب اور بنگال میں ہر ایک قوم کو اس کی تعداد کے مطابق حق ممبری دیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں صوبوں میں گو مسلمان زیادہ ہیں۔ مگر صرف پچپن اور چوّن فی صدی ہیں۔ اور اگر ان کے حق میں سے کچھ کم کر کے ہندوؤں یا سکھوں کو دیا جائے تو مسلمانوں کی اکثریت اقلیت سے بدل جاتی ہے حکومت میں غلبہ ان صوبوں میں بھی ہندوؤں کا ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے خلاف یو۔پی' بہار' بمبئی' مدراس اور سی۔پی میں ہندوؤں کی اکثریت بہت زیادہ ہے۔ اور مسلمان بہت کم ہیں۔ پس مسلمانوں کو اوپر کے قاعدہ کے مطابق اپنے حق سے زیادہ ممبریاں ملنی چاہئیں تاکہ ان کی مختلف جماعتوں کو نیابت کا موقع مل جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو زیادہ حق دینے سے ہندوؤں کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ کیونکہ وہ پھر بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ رہیں گے۔ اسی طرح صوبہ سرحدی' صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان میں مسلمان بہت زیادہ ہیں۔ پس ان تین صوبوں میں ہندوؤں کو ان کے حق سے زیادہ ممبریاں ملنی چاہئیں تاکہ ان کے ہر قسم کے فوائد کی کونسلوں میں نیابت ہو جائے۔

اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی ہے کہ چونکہ کُل ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صرف پچیس فیصدی ہے اس لئے انہیں مرکزی حکومت میں کم سے کم تینتیس فیصدی نیابت کا حق دیا جائے۔ یعنی جب تک مسلمان تینتیس فیصدی سے کم ہیں انہیں تینتیس فیصدی نیابت کا حق ہو جب وہ مقدار میں اس نسبت سے بڑھ جائیں تو پھر جس قدر حق ان کا بنتا ہو وہ انہیں دیا جائے۔

تیسرا مطالبہ جُداگانہ انتخاب

تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں اعتبار قائم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک سب صوبوں میں اور کم سے کم پنجاب اور بنگال میں کہ جن میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے تھوڑی ہی زیادہ ہے۔ جُداگانہ انتخاب کا طریق جاری رہے تاکہ مسلمانوں کے نمائندے واقعہ میں مسلمانوں کے نمائندے ہوں۔ اور ہندو اثر کے ماتحت ہو کر مسلمانوں کے فوائد سے کوتاہی کرنے والے نہ بنیں۔

چوتھا مطالبہ 'صوبہ سرحدی اور بلوچستان کیلئے نیابتی حکومت

چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو دوسرے صوبوں کی طرح نیابتی حکومت دی جائے۔ اور سندھ کو الگ صوبہ بنا کر اسے بھی نیابتی حکومت دی جائے۔

پانچواں مطالبہ 'اقلیت کی زبان کی حفاظت

پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ کسی صوبہ میں بھی اکثریت کو اقلیت کی زبان یا اس کے طرز تحریر میں دخل دینے کا حق نہ ہو۔ بلکہ اقلیت اگر اپنی زبان کو زندہ رکھنا چاہے۔ تو اس زبان کی تعلیم کا سکولوں میں انتظام کرنا حکومت کے لئے ضروری قرار دیا جائے۔

چھٹا مطالبہ 'مذہب اور تبلیغ مذہب کی آزادی

چھٹا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت کو مذہب یا مذہب کی تبلیغ میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہو نہ تبدیل مذہب کے لئے وہ کوئی پابندیاں مقرر کر سکے اور نہ حکومت کو کوئی ایسا قانون پاس کرنے کا اختیار ہو جو کہ کسی قوم کی تمدنی یا اقتصادی حالت کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ جیسے مثلاً گائے کے ذبح کے متعلق یا اسی قسم کے اور امور کے متعلق اس قسم کے قوانین اسی وقت پاس کئے جا سکیں جب کہ خود اس قوم کے ۳/۵ ممبران اس کی تائید میں ہوں جن پر ان قوانین کا خاص طور پر اثر ہوتا ہے۔

ساتواں مطالبہ 'قانونِ اَساسی اور اس کی تبدیلی

میری طرف سے ساتواں مطالبہ یہ بھی پیش ہوتا رہا ہے کہ ان حقوق کو قانونِ اَساسی میں داخل کیا جائے۔ اور قانونِ اَساسی اس وقت تک نہ بدلا جا سکے جب تک کہ منتخب شدہ ممبروں میں سے ۲/۳ ممبر اس کے بدلنے کی رائے نہ دیں۔ اور یہی کافی نہ ہو بلکہ اس کے بدلنے کیلئے یہ شرط بھی ہو کہ تین دفعہ کی متواتر منتخب شدہ مجالس آئینی پے در پے ۲/۳ رائے سے اس کے بدلنے کا فیصلہ کریں۔ اور قانونِ اَساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۲/۳ ممبر جس کے حقوق کی حفاظت اس قانون میں بھی تھی اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہوں اور تین متواتر طور پر منتخب شدہ کونسلوں میں وہ اس تبدیلی کے حق میں ووٹ نہ دیں اسے پاس نہ سمجھا جائے۔ اور پھر اسی صوبہ میں اس تبدیلی کا نفاذ ہو۔ جس صوبہ کی کونسل کے اس قوم کے ۲/۳ منتخب شدہ

ممبر اس کے نفاذ کے حق میں رائے دے دیں۔ اگر یہ شرط نہ لگائی گئی تو ہندوؤں کو ہر وقت اختیار ہوگا کہ اپنی اکثریت کے زور سے قانون کو بدل دیں اور ان حفاظتی تدابیر کو منسوخ کر دیں۔ جنہیں قانون اساسی کے بناتے ہوئے مسلمانوں کی خاطر منظور کر لیا جائے۔

کلکتہ لیگ کے مطالبات

کلکتہ لیگ جس کی نمائندگی کا نہرو کمیٹی کو دعویٰ ہے اس کا فیصلہ یہ تھا کہ اس کے نمائندے کانگریس کے ساتھ قانون اساسی بنانے میں شریک ہوں مگر ان امور کا خیال رکھیں کہ

۱۔ سندھ ایک مستقل اور خود مختار صوبہ بنایا جائے۔

۲۔ صوبہ سرحدی اور بلوچستان میں بھی اصلاحات جاری کی جائیں اور باقی صوبوں کے برابر اختیارات ان کو بھی دیئے جائیں۔

۳۔ موجودہ حالات میں مختلف صوبہ جات میں جداگانہ انتخاب مسلمانوں کی نمائندگی کیلئے ضروری ہے۔ اور مسلمان اس حق کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ سندھ کو ایک مستقل اور خود مختار صوبہ نہ بنا دیا جائے اور صوبہ سرحدی اور بلوچستان میں اصلاحات نہ جاری کر دی جائیں۔

جب یہ شرطیں مکمل طور پر پوری ہو جائیں۔ تب مسلمان جُداگانہ انتخاب کو مشترکہ انتخاب کے حق میں چھوڑنے کیلئے تیار ہونگے مگر اس شرط سے کہ آبادی کی تناسب سے ہر قوم کی نیابت محفوظ ہو۔ سوائے ان صورتوں کے جو ذیل میں درج ہے:۔

الف:۔ صوبہ سرحدی ' بلوچستان اور سندھ میں مسلمان ہندوؤں کو ان کے جائز حقوق سے زیادہ اسی قدر حق دیں گے۔ جس قدر زائد حقوق کہ ہندو دوسرے صوبوں میں جن میں ان کی اکثریت ہوگی مسلمانوں کو دیں گے۔

ب۔ مرکزی حکومت میں موجودہ نیابت سے کم مسلمانوں کو نہ ملے گی۔

اس کے علاوہ لیگ نے مدراس کانگریس کے فیصلہ کو جو حریّت ضمیر مذہبی قانون سازی اور گائے اور باجہ کے سوال کے متعلق تھا۔ قبول کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اسے بھی اوپر کے ریزولیوشن کے ساتھ شامل کیا جائے۔

بعض امور جو دوسری پارٹی کے مطالبات میں ہیں وہ اس میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ لیکن

اس کے یہ معنی نہیں کہ کلکتہ لیگ ان کے مخالف ہے۔ مثلاً حکومت اتحادی کا مطالبہ ان مطالبات میں شامل نہیں۔ لیکن جب ہم ان تقریروں کو دیکھتے ہیں۔ جو اس موقع پر کی گئی تھیں۔ تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ لیگ کے ممبروں کے دماغ میں یہ بات موجود تھی کہ صوبہ جات کو کامل آزاد حکومت حاصل ہوگی۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد نے جو تقریر اس وقت کی تھی اس کا مندرجہ ذیل فقرہ اپنے مضمون پر خود شاہد ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"اب نو ہندو صوبوں کے مقابل پر پانچ مسلمان صوبے ہونگے اور جو سلوک بھی ہندو ان نو صوبوں میں مسلمانوں سے کریں گے مسلمان وہی سلوک اپنے پانچ صوبوں میں ہندوؤں سے کریں گے کیا یہ ایک بڑی کامیابی نہیں ہے؟ کیا مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ رکھنے کیلئے ایک نیا ہتھیار نہیں مل گیا؟"[۶]

یہ فقرہ بتاتا ہے کہ مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کے ذہن میں اس وقت یہی تھا کہ صوبہ جات کامل طور پر خود مختار ہونگے' ورنہ اگر سب اہم اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہونے تھے اور صوبہ جات کے کاموں میں اسے دخل دینے کا اختیار حاصل ہونا تھا تو پھر مسلمانوں کو کونسا نیا ہتھیار ملتا ہے۔ مرکزی حکومت جس میں ہندو اکثریت لازمی ہے' ہر وقت مسلم صوبہ جات کے کام میں دخل دے سکتی ہے جیسا کہ نہرو رپورٹ والوں نے دبے الفاظ میں سندھ کے ہندوؤں سے وعدہ بھی کیا ہے۔ یا اسی طرح مثلاً زبان کا سوال ہے۔ کلکتہ لیگ نے زبان کے سوال کو نہیں اٹھایا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس سوال کو اہمیت نہیں دیتی تھی' بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس سوال کو کانگریس پہلے حل کر چکی تھی اور ملک کی زبان ہندوستانی یا اردو تسلیم کر چکی تھی۔ جس کی تحریر فارسی یا ناگری رسم الخط دونوں میں جائز ہوگی۔ پس کلکتہ لیگ نے یہ سمجھا کہ جو فیصلہ کانگریس پہلے کر چکی ہے اسے نہرو کمیٹی نظرانداز نہیں کرے گی۔

غرض گو بعض باتیں کلکتہ سیشن کے ریزولیوشن میں نہیں ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کلکتہ سیشن ان کے مخالف تھا۔ کلکتہ سیشن جس امر میں لاہور سیشن کے مخالف ہے' وہ صرف یہ بات ہے کہ لاہور کہتا ہے ان صوبوں کا الگ کرنا ہمارا حق ہے۔ پس ہم اس حق کا مطالبہ بھی کریں گے۔ اور جُداگانہ انتخاب کو بھی اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ ہمیں ہندوؤں پر اعتماد پیدا نہ ہو جائے۔ اور ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ وہ اپنے روپیہ اور اپنے رسوخ

کو ہمارے تباہ کرنے پر خرچ نہیں کرتے۔ اس اختلاف کے سوا کوئی اصولی اختلاف کلکتہ اور لاہور میں نہیں ہے۔ اور کلکتہ سیشن (SESSION) کے بانی مبانی اور اس کے روح رواں مسٹر جناح جنہوں نے شملہ کی آل مسلم کانفرنس میں مسلمانوں کی رائے کا اچھی طرح موازنہ کر لیا تھا' وہ اس امر کو جانتے تھے کہ مسلمانوں کی اکثریت ان کے ساتھ نہیں بلکہ لاہور کے ساتھ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا تھا:۔

"ہمیں (کلکتہ لیگ کے بانیوں کو) اس کمرہ میں اکثریت حاصل ہے۔ لیکن کیا ہمیں ملک میں بھی اکثریت حاصل ہوگی؟۔ (اس پر لوگوں نے کہا۔ ہاں) مسٹر جناح نے کہا کہ میرے لئے اس سے زیادہ کوئی امر خوش کن نہ ہوگا۔ مگر انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں اقرار کروں کہ مجھے اس پر اطمینان حاصل نہیں ہے کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت ہماری تائید میں ہے۔"[۷]

نہرو رپورٹ کا فیصلہ

میں مسلمانوں کے مطالبات کو اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کی دونوں پارٹیوں میں آئندہ سَوراج کے متعلق کس قدر اختلاف ہے۔ اور یہ بھی کہ مسلمانوں کی دونوں پارٹیوں میں سے ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کا زیادہ پاس کرنے والی کلکتہ لیگ ہے۔ مگر وہ بھی صاف لفظوں میں یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ سَوراج کی سکیم میں مسلمان اسی وقت شریک ہو سکتے ہیں۔ جب کہ اوپر کے بیان کردہ امور کا کُلّی طور پر فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو جائے۔ گویا اوپر کے مطالبات ہندو مسلم صلح کی گفتگو کے لئے بطور بنیاد نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا پہلے منظور ہو جانا ہندو مسلم کی صلح کے لئے بطور شرط ہے۔ اور اس امر میں لاہور لیگ ان سے متفق ہے۔ ان کے مخالف نہیں۔ کیونکہ لاہور لیگ تو ان سے بھی زیادہ مطالبہ کرتی ہے۔ پس اس چھوٹے مطالبہ میں کسی کمی کو وہ کب جائز قرار دے سکتی ہے۔

اس قدر اظہار کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ نہرو کمیٹی مذکورہ بالا امور کے متعلق کیا فیصلہ کرتی ہے۔

مطالبہ اول کے متعلق نہرو کمیٹی کا فیصلہ

پہلا سوال اتحادی یا فیڈرل طریق حکومت کا ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ سوال سب

سوالات سے اہم ہے اور اس کے بغیر کوئی حفاظت کا ذریعہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اکثر مسلمان اس امر کی تائید میں رائے دے چکے ہیں۔ اور مسٹر جناح کی لیگ بھی جیسا کہ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے مذکورہ بالا فقرہ سے ظاہر ہے اس کی تائید میں تھی۔ لیکن نہرو رپورٹ نے بجائے اتحادی یا فیڈرل طریق حکومت کے ایک قسم کی یونیٹیرین (UNITARIAN) یا مرکزی حکومت کی تجویز پیش کی ہے۔ جو ملک کی اصل حاکم سمجھی جائے گی۔ اور صوبہ جات کے اختیار اس مرکزی حکومت سے حاصل کردہ ہونگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہرو کمیٹی کے ہوشیار ممبر اس امر کے متعلق صفائی کے ساتھ نہیں لکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فوراً مسلمان بیدار ہو جائیں گے اور شور کا دبانا مشکل ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ ایسے اہم سوال کو بغیر اس الزام کا مورد بننے کے نظرانداز بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ یا تو سیاسیات سے نابلد ہیں یا انہوں نے رپورٹ کے تیار کرنے میں محنت سے کام نہیں لیا۔ اس لئے انہوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنی رپورٹ کے ساتویں باب کے شروع میں اصل تجاویز میں یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ:۔

"ہم نے قانون اساسی کو مکمل صورت میں تیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔"[۸]

لیکن باوجود اس کے کون عقلمند آدمی کہہ سکتا ہے کہ قانون اساسی کے تیار کرنے والے بغیر موردِ الزام بننے کے اس امر کو نظرانداز کر سکتے ہیں کہ آئندہ حکومت ہند کی شکل کیا ہوگی؟ مگر نہرو کمیٹی نے ایسا کیا ہے۔ لیکن ایسا اہم سوال چونکہ قانون اساسی سے کسی صورت سے بھی جُدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جس امر کو تعریف کے حذف کر دینے سے چھپایا گیا ہے۔ اسے تفاصیل نے ظاہر کر دیا ہے۔ اور رپورٹ کے متعدد مقامات ظاہر کر رہے ہیں کہ رپورٹ نے ایک مضبوط سینٹرل اور ایک رنگ کی یونیٹیرین گورنمنٹ تجویز کی ہے۔ چنانچہ رپورٹ کے باب تجاویز کے عنوانِ پارلیمنٹ کے نیچے چونتیسویں مادہ میں لکھا ہے۔

"صوبہ جات کی کونسلوں کے اختیارات تمام ان امور پر حاوی ہیں جنہیں فہرست دوم میں گنایا گیا ہے۔"[۹]

اسی طرح رپورٹ کے عنوان پارلیمنٹ کے نیچے تیرھویں مادہ کی پہلی شق میں یوں درج ہے کہ یہ پارلیمنٹ قانون بنائے گی۔

"امن نظام اور کامن ویلتھ (COMMON WEALTH) کی حکومت کے اچھی

طرح چلنے کے لئے ان تمام امور کے متعلق جو اس قانون کے مطابق صوبوں کی کونسلوں کے سپرد نہیں کئے گئے۔"[۱۰]

اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ آئندہ حکومت ہند میں صوبوں سے مرکزی حکومت کو اختیارات نہیں دیئے گئے۔ بلکہ مرکزی حکومت کی طرف سے صوبوں کو اختیارات دئے گئے ہیں۔ اسی طرح صوبہ جات کی مجالس واضع قوانین کے عنوان کے نیچے مادہ تیں(۳۰) کے ماتحت لکھا ہے۔

"صوبہ کی آمد میں سے بادشاہ کو گورنر صوبہ کی تنخواہ کے طور پر..... سالانہ رقم ادا کی جائے گی جو کہ جب تک کامن ویلتھ کی پارلیمنٹ کوئی دوسرا فیصلہ نہ کرے۔ اس قاعدہ کے مطابق ہوگی۔ جو ساتھ درج ہے۔"[۱۱]

اس قاعدہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ جات کی مجالس کو مرکزی مجلس کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ اور واضح حوالہ سول سروس کے عنوان کے نیچے ملتا ہے۔ اس عنوان کے نیچے اکیاسیویں (۸۱) مادہ کے ماتحت لکھا ہے۔

"پارلیمنٹ قانون بنانے کا اختیار اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر اور معیّن کردہ امور کے متعلق گورنر جنرل ان کونسل (GOVERNER GENERAL IN COUNCIL) یا صوبہ جات کی گورنمنٹوں کو بھی دے سکتی ہے۔"[۱۲]

ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ نہرو کمیٹی نے جو قانون اساسی حکومت ہند کے لئے تجویز کیا ہے' وہ مسلمانوں کے مجموعی مطالبہ کے بالکل مخالف ہے۔ مسلمانوں کا مطالبہ فیڈرل یا اتحادی گورنمنٹ کا تھا۔ جس میں کہ سب صوبے آزادانہ حکومت رکھتے ہوں اور وہ اپنی مرضی سے بعض ایسے اختیارات جو بغیر مرکزی حکومت کی موجودگی کے نہیں برتے جاسکتے۔ ایک مرکزی حکومت کو تفویض کر دیں۔ اور مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہ ہو کہ وہ صوبہ جات کے اندرونی انتظام میں کسی قسم کا بھی دخل دے سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ بغیر اس قسم کی گورنمنٹ کے مسلمانوں کو ہندوستان میں امن نہیں حاصل ہو سکتا۔ اگر مسلمانوں کا مطالبہ سندھ' صوبہ سرحدی اور بلوچستان کا اختیار حاصل کرنے کا ہے تو محض اس لئے کہ ہندوؤں کو اس وجہ سے ان صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم کرنے کا خیال پیدا نہیں ہو سکے گا' جہاں مسلمان کم ہیں۔ کیونکہ مسلمان آزاد صوبوں میں بھی ہندو آبادی بس رہی

ہوگی۔ لیکن اگر اصل اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہیں۔ تو پھر اس احتیاط سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جب مرکزی حکومت ہر وقت دخل دے سکتی ہے تو جس وقت وہ چاہے گی مسلمانوں کے صوبوں کے معاملات میں دخل دے دے گی۔ اگر کہو کہ ایسا کیوں کرے گی۔ تو میں کہتا ہوں کہ اصل سوال تو ہے ہی یہی کہ دونوں قوموں کو ایک دوسرے پر بے اعتباری ہے۔ اگر بے اعتباری نہیں تو یہ سب شرطیں اور پابندیاں لگائی ہی کیوں جاتی ہیں۔ صاف کہدو کہ ہمیں اپنے ہندو بھائیوں پر اعتبار ہے۔ وہ جس طرح چاہیں حکومت کریں۔ ہمیں ان سے ہر ایک طرح نیک امید ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ تو آج ہی سب جھگڑے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اسی وقت ہندو اٹھ کر آپ لوگوں کو گلے لگالیں گے۔

مطالبہ دوئم کے متعلق نہرو کمیٹی کا فیصلہ

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ جس جس صوبہ میں اقلیت نہایت کمزور ہو' وہاں اسے اپنے اصل حق سے زائد حق دیا جائے۔ اور جس جگہ اقلیت کمزور نہ ہو' وہاں اقلیت کو زائد حق نہ دیا جائے۔ نہرو رپورٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ زائد حق کسی جگہ بھی نہ دیا جائے۔ نہ اس جگہ جہاں اقلیت کم ہو اور نہ وہاں جہاں طاقتور ہو۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے۔

> "تعداد آبادی کی نسبت سے زائد نمائندگی جو لکھنؤ کے معاہدہ اور مانٹیگ چیمسفورڈ سکیم [۱۳] (MONTAGUE CHELMSFORD SCHEME) کے مطابق مسلمانوں کو بعض صوبوں میں دی گئی تھی' وہ ہماری سکیم کے مطابق واپس لے لی جائیگی۔" [۱۴]

گویا اس مطالبہ کو بھی جو کلکتہ اور لاہور لیگ کا مشترکہ تھا' ردّ کر دیا گیا ہے۔ جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں نے چونکہ پنجاب اور بنگال میں بوجہ تعداد میں زیادہ ہونے کے ہندوؤں کی حکومت سے انکار کیا تھا۔ اس کے بدلہ میں دوسرے صوبہ کے مسلمانوں کو نمائندگی کی ایک قلیل زیادتی سے محروم کر دیا جائے۔ جس سے وہ حاکم نہیں بنتے تھے۔ صرف اتنا تھا کہ مختلف جماعتوں اور سیاسی انجمنوں کی نیابت آسانی سے صوبوں کی حکومت میں ہو سکتی تھی۔

اسی مطالبہ کے ضمن میں مسلمانوں کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ مرکزی حکومت میں بجائے پچیس فیصدی کے مسلمانوں کو ۳۳ فی صدی نمائندگی کا حق دیا جائے تا کہ مختلف صوبوں سے

ان کی نیابت اچھی طرح ہو سکے۔ اس مطالبہ میں کلکتہ اور لاہور لیگ برابر کی شریک ہیں۔ نہرو کمیٹی نے اس مطالبہ کو بھی رد کر دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے۔

"مسلمان برطانوی ہندوستان میں ایک چوتھائی سے کچھ کم ہیں۔ اور ان کے لئے مرکزی پارلیمنٹ میں اس نسبت آبادی سے زیادہ ممبریاں ہرگز محفوظ نہیں کی جا سکتیں۔"۵ھ

اس وقت لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد گو پوری تینتیس فیصدی نہیں ہے۔ مگر چوتھائی سے زیادہ ہے۔ چنانچہ نہرو رپورٹ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد لیجسلیٹو اسمبلی میں تیس فیصدی ہے۔ نہرو رپورٹ آئندہ نظام حکومت میں مسلمانوں کو اس قدر بھی حق نہیں دینا چاہتی۔ گویا مسلم لیگ تو اس بنا پر کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی نمائندگی چوتھائی ممبروں سے نہیں ہو سکتی۔ اور کسی قدر زیادہ ممبریوں کے دینے سے ہندوؤں کو کوئی نقصان نہیں موجودہ ممبریوں سے زیادہ کا مطالبہ کرتی ہے اور کم سے کم اس کا مطالبہ یہ ہے کہ موجودہ تعداد ہی رہنے دی جائے۔ لیکن نہرو کمیٹی موجودہ حق کو بھی چھین کر مسلمانوں کی نیابت کو ایک چوتھائی پر لے آتی ہے۔ اور مسلم لیگ کے دعویٰ پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ چوبے جی چھبے ہونے گئے تھے دوبے ہو کر آئے۔

مطالبہ سوئم کے متعلق نہرو کمیٹی کا فیصلہ

تیسرے مطالبہ میں مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ لاہور لیگ جب تک ہندو مسلمانوں میں اعتبار قائم نہ ہو جائے اور مسلمان اپنی مرضی سے جداگانہ انتخاب کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں، جُداگانہ انتخاب کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھی۔ کلکتہ لیگ کے نزدیک اگر سندھ کو الگ صوبہ بنا دیا جائے اور صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو وہی اختیارات دے دیئے جائیں جو باقی صوبوں کو تو ان تبدیلیوں کے مکمل ہو جانے کے بعد کوئی حرج نہ تھا، اگر مسلمان اپنے جُداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑ دیں۔ ان دونوں مطالبات میں سے کسی مطالبہ کو بھی لے لیا جائے۔ نہرو رپورٹ نے اسے پورا نہیں کیا۔ نہرو کمیٹی تسلیم کرتی ہے کہ مسلم لیگ کونسل کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ کم سے کم مطالبہ ہے جسے کم کرنے کیلئے مسلمان تیار نہیں ہونگے۔ اور کلکتہ لیگ کے ریزولیوشن بتاتے ہیں کہ اس کا بھی یہی منشا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں اوپر درج کر آیا ہوں، کلکتہ لیگ کے ریزولیوشن میں یہ الفاظ صاف طور پر درج ہیں کہ:-

"مسلمان اس حق کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک کہ سندھ کو ایک مستقل اور خود مختار صوبہ نہ بنا دیا جائے اور صوبہ سرحدی اور بلوچستان میں اصلاحات نہ جاری کردی جائیں۔"

لیکن نہرو کمیٹی ان تین امور میں سے صرف ایک کو تسلیم کرتی ہے۔ یعنی صوبہ سرحدی کو نیابتی حقوق دینے کی تائید کرتی ہے۔ سندھ کے متعلق وہ شرطیں لگاتی ہے کہ فلاں فلاں شرط کے ماتحت اسے آزاد کیا جاسکتا ہے۔ اور بلوچستان کا ذکر وہ بالکل مشتبہ الفاظ میں کرتی ہے۔ اس کے صفحہ ۵۵ پر یہ الفاظ درج ہیں:۔

"جن صوبوں کی غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں بحث کی ضرورت ہے وہ صوبہ سرحدی اور بلوچستان ہیں۔"

اس فقرہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر اس کے مرتّبین کے ذہن میں تھا کہ بلوچستان میں ہندوؤں کے حقوق کا سوال پیدا ہوگا۔ مگر صفحہ ۱۲۴ پر قانون اساسی کے عنوان ثانوی فرقہ وارانہ نمائندگی کے نیچے ساتویں مادہ میں لکھا ہے:۔

"صوبہ سرحدی میں اور تمام نئے بنائے ہوئے صوبوں میں جو پرانے صوبوں سے کاٹ کر بنائے جائیں گے، وہی طریق حکومت ہوگا جو دوسرے ہندوستان کے صوبوں میں رائج ہوگا۔"

اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون اساسی میں بلوچستان کے ذکر کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غلطی سے ہو۔ مگر بہرحال معاملہ مشتبہ ہے۔ اور ہمیں اس وقت تک یہی کہنا چاہئے کہ نہرو کمیٹی نے ان شرطوں کو پورا نہیں کیا۔ جن پر کلکتہ لیگ جُداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑنے کے لئے تیار تھی۔ اور جن کے باوجود بھی لاہور مسلم لیگ جُداگانہ انتخاب کو کچھ عرصہ کیلئے چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔

لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا کلکتہ لیگ کے ریزولیوشن کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ لیگ صرف یہ نہیں کہتی کہ ہندو صاحبان ان شرطوں کو پورا کرنے پر راضی ہو جائیں تو جُداگانہ انتخاب کو اُڑا دیا جائے گا۔ بلکہ وہ دو احتیاطیں اور کرلیتی ہے۔ وہ یہ بھی شرط لگاتی ہے کہ ان پر عملدرآمد بھی ہو جائے۔ اور دوسری شرط یہ لگاتی ہے کہ اس عملدرآمد پر مسلمان اپنی تسلی بھی کرلیں کہ ان کے منشاء کے مطابق کام ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتی ہے:۔

"جب یہ شرطیں مکمل طور پر پوری ہو جائیں' تب مسلمان جُداگانہ انتخاب کو مشترکہ انتخاب کے حق میں چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

لیکن نہرو کمیٹی بغیر ان کے پورا ہونے کے صرف اپنا مشورہ دیکر جُداگانہ انتخاب کو اُڑا دیتی ہے حالانکہ مسلم لیگ کی شرط کے مطابق اسے چاہئے تھا کہ صاف طور پر لکھتی کہ مشترکہ انتخاب اسی وقت سے شروع ہو گا۔ جب کہ پہلی تین باتیں پوری ہو جائیں۔ اسی طرح مسلم لیگ کے الفاظ یہ ہیں کہ تب مسلمان جُداگانہ انتخاب چھوڑنے کیلئے تیار ہونگے۔ انگریزی ریزولیوشن کے الفاظ یہ ہیں۔ "Will be prepared to abandon"

ان الفاظ میں اختیار ابھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رکھا گیا ہے۔ گو یہ مطلب نہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو پھر بھی نہ چھوڑیں۔ لیکن یہ مطلب ضرور ہے کہ مسلمان پہلے اپنی تسلی کر لیں کہ ان کی شرائط پوری ہو گئی ہیں تب وہ اپنا آخری فیصلہ دیں گے کہ اب جُداگانہ انتخاب کو اڑا دیا جائے۔ مگر نہرو رپورٹ نے ہرگز ان شرائط کا خیال نہیں کیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ شملہ کی آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں جب یہ سوال بار بار پیش کیا جاتا تھا کہ اگر ہندو ہماری شرطوں پر راضی ہو جائیں لیکن بعد میں عذر کر دیں کہ ہم تو راضی ہیں لیکن فلاں فلاں روک کے سبب سے ابھی اس پر عملدر آمد نہیں ہو سکتا تو پھر آپ کے ہاتھ میں کیا رہ جائے گا۔ تو مسٹر جناح بڑے زور سے کہتے تھے کہ ہماری سفارش کے لفظوں پر غور نہیں کیا گیا۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جُداگانہ انتخاب اس وقت سے جاری کیا جائے گا۔ جب ہماری شرائط پر عملدر آمد ہو جائے گا۔ صرف ہندوؤں کے منظور کر لینے سے انتخاب کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ لیکن ابھی ایک سال نہیں گذرا کہ مسٹر جناح کے اس خیال کی تردید ہو گئی ہے۔

نہرو رپورٹ بغیر ان شرطوں پر عملدر آمد ہونے کے' بلکہ بغیر ان شرطوں کو مکمل طور پر منظور کرنے کے جداگانہ انتخاب کا فیصلہ کرتی ہے اور ان شرائط کا ذکر تک نہیں کرتی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ہندوستان میں امن کے قیام کے لئے باوجود سخت خطرات کے جُداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ اور اپنی قوم سے لڑائی مول لی تھی۔ مگر اس کی تجاویز کا نہرو کمیٹی کے ہاتھوں جو حشر ہوا ہے' میں اسے اوپر بیان کر چکا ہوں۔ جب شروع میں یہ حال ہے۔ جب سوراج [۱۶] کے حصول کے جوش میں ان لوگوں کو مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تمنا ہے تو اس وقت کیا ہو گا جب حکومت مل جائے گی اور سب اختیار

انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا۔

مطالبہ چہارم کے متعلق نہرو کمیٹی کا فیصلہ

چوتھا سوال صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو نیابتی حکومت دینے اور سندھ کو الگ صوبہ بنا کر نیابتی حکومت دینے کے متعلق تھا۔ نہرو کمیٹی نے صوبہ سرحدی کے متعلق مطالبہ کو تسلیم کیا ہے۔ بلوچستان کو مشتبہ چھوڑ دیا ہے۔ اور سندھ کے متعلق یہ شرط لگا دی ہے کہ جب تک وہ مالی طور پر اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہو جائے یا اس کے باشندے مالی بوجھ کو اٹھانے کیلئے آمادہ نہ ہوں' اس وقت تک اس صوبہ کو آزاد نہ کیا جائے۔ بظاہر یہ شرطیں معقول معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ جو صوبہ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا وہ الگ کس طرح ہو سکتا ہے۔ گو مسلمان یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور الگ نہیں ہو سکتا تو پھر جُداگانہ انتخاب کو بھی نہ اُڑاؤ جس کے لئے سندھ کی علیحدگی بطور شرط ہے۔ مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ نہرو کمیٹی کے ان سیدھے سادے فقروں کے نیچے نہایت گہرا مضمون پوشیدہ ہے۔ بوجھ کا لفظ ایسا غیر محدود ہے کہ اس کی حد بندی میں ہی سندھ کو علیحدگی سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔ بوجھ سے مراد ایک سیدھا سادہ نظام بھی ہو سکتا ہے۔ جس کا اُٹھانا یقیناً سندھ کے لئے مشکل نہ ہو گا۔ لیکن بوجھ سے مراد ایک ایسا بوجھ بھی ہو سکتا ہے' جسے سندھ جیسا چھوٹا صوبہ اُٹھا ہی نہ سکے۔ اور اس صورت میں وہ کبھی الگ ہی نہ ہو سکے۔ میرے لئے شک کرنیکی کافی وجہ موجود ہے کہ اس جگہ بوجھ سے مراد ضرورت اور طاقت سے زیادہ بوجھ ہے۔ کیونکہ نہرو رپورٹ ہی میں لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک درخواست سندھ کے ہندوؤں' مسلمانوں اور پارسیوں کی مشترکہ آئی تھی کہ سندھ کو علیحدہ کر دیا جائے اور مالی مشکلات کے متعلق اس درخواست میں یہ حل پیش کیا گیا تھا۔ کہ "ان کا کوٹ ان کے کپڑے کے مطابق بیونت دیا جائے" یعنی جس قدر طاقت مالی ان کے صوبہ میں ہے۔ اسی کے مطابق ان کے صوبہ کی گورنمنٹ کا انتظام کر دیا جائے۔ اور زیادہ دیر تک مالی حالت کی ترقی کا انتظار نہ کیا جائے۔ لیکن کمیٹی کہتی ہے کہ وہ ان کی اس خواہش کو مالی مشکلات کا آخری حل نہیں قرار دے سکتی۔ [۱] اس سے ظاہر ہے کہ سندھ کے لئے ایک ایسا انتظام تجویز کیا جائے گا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اور چونکہ وہ اس بوجھ کو اُٹھانے کا اقرار کر ہی نہ سکے گا۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہونگے۔ کہ وہ بجائے اقتصادی ترقی کے اپنی پہلی حالت کو بھی کھو بیٹھے۔ اس لئے سندھ کو الگ بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس کا مزید ثبوت اس سے

بھی ملتا ہے کہ پنڈت موتی لال نہرو صاحب نے بمبئی کونسل میں سندھ کی علیحدگی کے مسودہ کو روکنا چاہا ہے۔ اور کانگریسی ممبروں کو مشورہ دیا ہے کہ اگر اس مسودہ کو مسلمان ضرور ہی پیش کریں تو وہ اس کی مخالفت کریں۔

مطالبہ پنجم اور نہرو کمیٹی کا فیصلہ

پانچواں سوال زبان کا تھا۔ اس سوال کو نہرو کمیٹی نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایک معمولی سوال ہے۔ اول تو یہ سوال معمولی نہیں ہے۔ اس سے مسلمانوں کی ترقی اور تنزل وابستہ ہے۔ ہندوستان کی آئندہ حکومت اردو کو اُڑا دے۔ پھر دیکھو کس طرح چند ہی سال میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ تھوڑے بہت کام بھی نکل جاتے ہیں۔ جو اس وقت ان کے ہاتھ میں ہیں۔ اور کس طرح ان کی مخصوص تہذیب برباد ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اسے معمولی بھی فرض کر لیا جائے' تب بھی دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قوم سے معاملہ ہے وہ اسے کیا اہمیت دیتی ہے۔ اگر مسلمان اردو کے سوال کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور اسے اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں تو اسے نظرانداز کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ مگر میں اس امر پر بعد میں بحث کروں گا کہ زبان کا سوال نہ معمولی ہے اور نہ یہ صرف ہندوستان میں پیدا ہوا ہے۔ بلکہ اسے دوسرے ممالک میں بھی اہمیت دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے خاص قوانین بنائے گئے ہیں جو قانونِ اَساسی کے ساتھ ہی منظور کئے گئے ہیں۔

مطالبہ ششم اور نہرو کمیٹی کا فیصلہ

چھٹا مطالبہ مذہبی اور اقتصادی دست اندازی سے روکنے کے متعلق تھا۔ لیکن اس کے متعلق بھی نہرو کمیٹی کی رپورٹ واضح نہیں ہے۔ بلکہ لفظوں کے ہیر پھیر میں اس مطالبہ کی اہمیت اور اس کی وسعت کو دبا دیا گیا ہے اس کے متعلق جو کچھ نہرو کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔ وہ اصولی حقوق کے عنوان کے نیچے چوتھے مادہ میں لکھتی ہے:-

> "ضمیر کی آزادی اور مذہب کا آزادانہ اقرار اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حق بشرطیکہ ایسا مذہبی فعل یا اعلان ملکی امن اور اخلاق کے خلاف نہ ہو ہر فرد بشر کو حاصل ہو گا۔"[۱۸]

یہ الفاظ مسلمانوں کے مطالبہ کو پورا نہیں کرتے۔ گائے کی قربانی پر ہمیشہ ہندو فساد کرتے ہیں۔ اس قانون کی رو سے ان کے فساد کی بنا پر گائے کی قربانی سے مسلمانوں کو روکا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اس میں مذہب کی تبلیغ کے متعلق کچھ ذکر نہیں۔ یہ قانون ہر شخص کو صرف یہ حق دیتا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کا آزادی سے اظہار کرے۔ مگر اس امر کا حق نہیں دیتا کہ کوئی شخص دوسرے کو آزادی سے تبلیغ کر سکے۔ قانون کسی وقت کہہ سکتا ہے کہ چونکہ تبلیغ سے فساد ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس سے روکتے ہیں تم اپنے مذہب کا اظہار کر سکتے ہو لیکن دوسرے شخص کو اس کی دعوت نہیں دے سکتے۔ اسی طرح قانون کسی وقت کہہ سکتا ہے کہ چونکہ مذہب کی تبدیلی سے فساد ہوتے ہیں، ہم مذہب کی تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے۔ ضمیر کی آزادی کا قانون اس کو نہیں روک سکتا۔ کیونکہ ضمیر کی آزادی صرف عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور مذہب کی تبدیلی ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونے کا نام ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی مثلاً یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ مجسٹریٹ کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کوئی شخص مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی جائے کہ اس طرح جبر وغیرہ نہ ہو سکے گا۔ اور اس طرح تبدیلیٔ مذہب کا سلسلہ روک دیا جائے۔ جیسا کہ آج کل کئی ریاستوں میں ہو رہا ہے۔ اول تو اس قدر لمبی مصیبت کو لوگ برداشت نہیں کرتے۔ اور اگر درخواست دیں تو پھر پوچھا جاتا ہے کس نے تبلیغ کی، کس طرح کی، کوئی دباؤ تو نہیں؟ اور اسی قسم کے سوالات میں اسے پھنسا کر تبدیلیٔ مذہب سے روک دیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں موجود ہیں اور میں اس امر کو ثابت کر سکتا ہوں۔ غرض اسی قسم کے کئی رخنے ہیں جو قانونِ مذہب میں موجود ہیں۔ اور جن کے ذریعہ سے مذہبی آزادی کو نہایت محدود کیا جا سکتا ہے۔ پس نہرو رپورٹ مسلمانوں کے مطالبات کو اس جہت سے بھی قطعاً پورا نہیں کرتی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں وہ اس مطالبہ کے بالکل اُلٹ جاتی ہے وہ مذکورہ بالا عنوان کے بارہویں مادہ میں کہتی ہے کہ:۔

> "کوئی شخص جو ایسے سکول میں تعلیم پا رہا ہو جسے گورنمنٹ امداد حاصل ہو یا پبلک کے روپیہ سے کسی اور طرح فائدہ اٹھا رہا ہو، اسے ایسی مذہبی تعلیم کے حصول پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جو سکول میں دی جاتی ہو۔"

اس مادہ کے ساتھ ذرا اس امر کو بھی ملا لو کہ ہندوستان کی آئندہ گورنمنٹ اگر یہ قانون بھی پاس کر دے کہ کوئی پرائیویٹ سکول جو گورنمنٹ ایڈ (GOVERNMENT AID) لیکر گورنمنٹ کے قانون کا پابند نہ ہو، منظور نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس قانون کے پاس ہونے میں قانونِ اَساسی ہرگز روک نہیں بن سکتا۔ اور اگر ایسا قانون پاس ہو جائے تو اس کے یہ معنی

ہونگے کہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے بالکل بیگانہ کر دیا جائے۔ ہر مذہب اور ہر مذہبی سکول کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں پر مذہبی تعلیم کے لئے زور دے سکے۔ اور یہ جبر نہیں ہے جبر یہ ہے کہ انسان دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیم پر مجبور کرے۔ پس یہ قانون کئی رنگ میں مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے روکنے کا موجب بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ ہندوؤں پر بھی اس کا یکساں اثر پڑے گا' مذاہب کی کامل ناواقفیت پر دلالت کرے گا۔ کیونکہ اسلام ایک مقررہ حدود والا مذہب ہے۔ جس کے جاننے کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندو مذہب ایک سیاسی مذہب ہے۔ اور وید اور اس کی تعلیم سے بالکل بے بہرہ شخص اپنے پاس سے کچھ خیال تجویز کر سکتا ہے۔ اور پھر اسی طرح ہندو کہلا سکتا ہے جس طرح ویدوں کا سب سے بڑا عالم۔

مطالبہ ہفتم اور نہرو کمیٹی کا فیصلہ

ساتواں مطالبہ یہ کہ وہ سوالات جو قومی بے اعتباری سے پیدا ہوتے ہیں' اور جن کا حل کرنا اقلیتوں کی حفاظت کیلئے ضروری ہے' انہیں قانون اساسی میں اسی طرح داخل کیا جائے کہ اس کا بدلنا آسان کام نہ ہو۔ میں نہیں جانتا کہ ہماری جماعت کے سوا کسی اور جماعت کی طرف سے بھی یہ مطالبہ پیش ہوا ہے۔ یا نہیں۔ مگر بہرحال یہ اہم ترین مطالبات میں سے ہے۔ اور اس کی طرف بھی نہرو کمیٹی نے توجہ نہیں کی۔ اس مطالبہ کی طرف ایک رنگ میں لکھنؤ پیکٹ (LUCKNOW PACT) میں اشارہ ضرور تھا۔ مگر وہ مطالبہ قانونی زبان میں نہ تھا۔ مبہم الفاظ میں تھا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ سات مطالبات میں سے جو مسلمانوں کی طرف سے ہوئے ہیں۔ ایک مطالبہ بھی ایسا نہیں۔ جسے نہرو کمیٹی نے پورے طور پر منظور کر لیا ہو بلکہ بعض کو بالکل ردّ کر دیا ہے اور بعض کو ناقص طور پر قبول کیا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ نقص ہمیشہ اسی حصہ میں واقع ہوا ہے جس سے اس مطالبہ کی اصل غرض فوت ہو جاتی ہے۔ اور اس کا قبول کرنا نہ کرنا برابر ہو جاتا ہے۔ اب سوال ہے کہ جب نہرو کمیٹی نے ان شرطوں کو بھی ردّ کر دیا ہے جن کو مسلمانوں میں سے نرم سے نرم جماعت نے آخری شرطیں قرار دیا تھا۔ تو کیا ایسا فیصلہ انصاف کا فیصلہ کہلا سکتا ہے۔ اور کیا اسے قبول کر کے مسلمان ہندوستان میں امن سے رہ سکتے ہیں؟ جہاں تک میں نے غور کیا ہے' ہرگز نہیں۔ اور میں اگلے حصۂ مضمون میں

اسی پر بحث کرنی چاہتا ہوں۔ اور اپنے مضمون کو کئی سوالوں پر تقسیم کرتا ہوں تاکہ اچھی طرح ہر اک شخص کی سمجھ میں آسکے۔

۱۔ کیا تفاصیل کو آزاد حکومت کے حصول تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا

پیشتر اس کے کہ میں اس امر پر بحث کروں کہ مسلمانوں کے مطالبات کہاں تک ضروری اور جائز ہیں' میں ایک خطرناک وہم کو دور کرنا چاہتا ہوں جو مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہے۔ اور جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھالیں' جس کے بعد واپس لوٹنا ناممکن ہو گا اور پچھتانے اور نادم ہونے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اور وہ وہم یہ ہے کہ اب جو کچھ بھی فیصلہ ہونا ہے ہو جائے۔ بعد میں اگر اس میں نقص معلوم ہو گا تو موجودہ فیصلہ کو بدل دیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر مسلمانوں کے دل میں یہی احساس ہے اور اس احساس کی وجہ سے ایک غلط اور میرے نزدیک خطرناک احساس حفاظت ان کے دلوں میں پیدا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس فیصلہ کو جو آج سوراج کے متعلق ہو گا' بدلنا ان کی طاقت سے باہر ہو گا' تو پھر وہ کبھی جلدی نہ کریں گے۔ اور اس ہزاروں خطرات سے پُر قدم کے اٹھانے سے پہلے وہ لاکھوں قسم کے سوالات کو حل کرنا چاہیں گے اور بیسیوں راستے واپسی کے سوچیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ انہیں یہ یقین دلایا ہے کہ اگر اس فیصلہ میں کوئی نقص ہو گا تو اسے بعد میں بدلا جا سکتا ہے۔ اور اس وجہ سے مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ صرف ایک تجربہ ہو گا۔ اگر اس میں نقص نظر آئے گا تو ہم اور تدبیر سوچیں گے۔ لیکن میں انہیں خوب اچھی طرح اور واضح کر کے سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آج جو قدم وہ اٹھائیں گے۔ اگر اس میں غلطی ہوگی تو الٹے پاؤں لوٹنا ان کے اختیار میں نہیں ہو گا۔ بلکہ جن امور کا مطالبہ انہوں نے کیا ہے' اگر وہ آج انہیں منوانا چاہیں تو بہت زیادہ آسان ہے لیکن سوراج کے ملنے کے بعد ان مطالبات کا منوانا بالکل ناممکن ہو گا۔

ڈومینین سلف گورنمنٹ کیا ہے

مسلمانوں کو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس امر کا مطالبہ نہرو کمیٹی نے کیا ہے اور جس امر کا مطالبہ آج قریباً ہر ایک ہندوستانی کر رہا ہے وہ ڈومینین سلف گورنمنٹ (DOMINION SELF GOVERNMENT) ہے۔ یعنی نیم آزاد حکومت۔ یہ نیم آزاد

حکومت کیا شے ہے؟ اس کا سمجھ لینا ان کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے سمجھ لینے کے بغیر انہیں معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ اس وقت اپنے مطالبات پر زور نہ دیکر اپنی اور اپنی اولادوں کا خون کر رہے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ خود اسلام کی جڑوں پر تبر رکھ رہے ہیں۔ اور ہندوستان میں سپین کی تباہی کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ

ڈومینین سلف گورنمنٹ ایک تازہ اصطلاح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی آزاد حکومت جس قسم کی حکومت کہ کینیڈا، آسٹریلیا، ساؤتھ افریقہ، نیوزی لینڈ کو حاصل تھی۔ اور اب پانچ سال سے جنوبی آئرلینڈ کو بھی حاصل ہے۔ مختلف بحثوں جھگڑوں اور سمجھوتوں کے بعد جنگ کے زمانہ تک برطانوی گورنمنٹ سے ڈومینینز (DOMINIONS) کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل ہو چکے تھے۔

اول۔ برطانوی پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون نہ بنائے گی جو کسی ڈومینین کے اندرونی نظم و نسق سے تعلق رکھتا ہو بلکہ اس ڈومینین کو پورا حق حاصل ہو گا۔ کہ وہ اپنے اندرونی معاملات کے متعلق خود قانون بنائے۔ برطانوی گورنمنٹ کی پریوی کونسل (PRIVY COUNCIL) کے پاس اپیل کرنے کا حق اگر کوئی ڈومینین چاہے تو اپنے اہل وطن سے چھین سکتی ہے۔ یعنی اس ڈومینین کے ججوں کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہر ڈومینین اپنے ملک کی حفاظت کیلئے خشکی یا تری کی فوج رکھ سکتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک ڈومینین اپنے قانون اساسی کو اپنی پارلیمنٹ کے فیصلہ سے بھی بدل سکتی ہے، گو وہ قانون اساسی برطانوی پارلیمنٹ کا ہی پاس کردہ ہو۔ ڈومینین گورنمنٹ کے پاس کردہ قوانین پر گو برطانوی حکومت کو ویٹو (VETO) کا حق حاصل ہے لیکن وہ حق استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ کوئی ایسا معاملہ نہ ہو جو صرف اس ڈومینین سے تعلق نہ رکھتا ہو، بلکہ برطانوی حکومت کے دوسرے حصوں پر بھی مؤثر ہو۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء کی امپیریل (IMPERIAL) کانفرنس میں یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ ڈومینین حکومت کے متعلق آئندہ برطانوی پالیسی یہ ہوگی کہ وہ ہر ڈومینین کو پوری بغیر حد بندیوں کے اور کامل مقامی آزاد گورنمنٹ دے دے گا۔ اور اس وقت تک دخل نہ دے گا جب تک کہ ڈومینین کوئی ایسا فعل نہ کرلے جو برطانوی حکومت سے اس کے وفادارانہ تعلقات کے خلاف ہو۔ [19] لیکن اس عرصہ میں اور تغیرات پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ان کے مطابق ڈومینینز کو اور بھی زیادہ اختیارات مل چکے ہیں۔ اور گو اب بھی رسمی طور پر برطانوی حکومت کو ڈومینینز

کے قوانین کے متعلق ویٹو کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن عملاً اس کو کُلّی طور پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں کوئینز لینڈ (QUEEN'S LAND) میں ایک قانون پاس کیا گیا۔ جس کے خلاف وہاں کے زمینداروں نے بھی اور برطانیہ کے زمینداروں نے بھی شور مچایا کہ یہ قانون قانونِ اَساسی کے خلاف ہے۔ اور اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ گورنمنٹ زبردستی زمینداروں کی زمینیں چھین لے۔ لیکن برطانوی گورنمنٹ نے دخل دینے سے انکار کر لیا کہ ہم ڈومینینز کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔

صرف ایک امر کا ڈومینینز کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور وہ ان کا اپنے علاقہ کو بڑھانے اور گھٹانے کا سوال ہے۔ اس معاملہ میں وہ برطانیہ کی مرضی کی پابند ہیں۔

بیرونی تعلقات کے لحاظ سے بھی جنگ کے بعد سے ڈومینینز کو بہت آزادی حاصل ہو چکی ہے وہ اپنے طور پر مگر بعد اجازت برطانیہ کے دوسری حکومتوں سے معاہدہ بھی کر سکتی ہیں۔ اور ۱۹۲۴ء میں جنوبی آئرلینڈ سے معاہدہ کرتے وقت برطانیہ نے سب ڈومینینز کا حق تسلیم کر لیا ہے کہ وہ صرف اسی صورت میں جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دینے پر مجبور ہونگی جب کہ برطانیہ پر کوئی اور حکومت حملہ آور ہو ورنہ اگر برطانیہ کسی اور حکومت سے جنگ کرے تو لازمی نہیں کہ وہ اس جنگ میں شریک ہوں۔ بلکہ ان کی پارلیمنٹوں کو اختیار ہو گا کہ وہ خواہ عملی طور پر جنگ میں شریک ہونے کا فیصلہ کریں' خواہ علیحدہ رہنے کا۔ معاہدات کے متعلق بھی تسلیم کر دیا گیا ہے کہ اگر ڈومینینز سے کسی معاہدہ کے متعلق مشورہ نہ کیا جائے گا اور ان کی طرف سے اس معاہدہ پر دستخط نہ ہونگے۔ تو ڈومینینز پر اس معاہدہ کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ ۱۹۲۴ء میں مسٹر بونرل سابق وزیراعظم نے امپیریل کانفرنس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس امر کا اقرار کیا کہ ڈومینینز کو یہ بھی حق ہے کہ جب وہ چاہیں' برطانیہ سے علیحدگی کا اعلان کر کے کامل طور پر آزاد ہو جائیں۔ ساؤتھ افریقہ اور کینیڈا کی حکومتیں بھی اپنے اپنے طور پر اس حق کے حاصل ہونے کا اعلان کر چکی ہیں۔ [۲۰]

اوپر میں نے جو ڈومینینز کی حکومت کے قواعد بتائے ہیں' ان سے صاف ظاہر ہے کہ ڈومینین کی حکومت سے مراد ایک آزاد حکومت ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ فی الحال وہ برطانیہ کے بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتی ہے۔ اور اپنے آپ کو برطانوی حکومت کا جزو تسلیم کر کے اس کی شوکت کو بڑھاتی ہے اور اس کے رسوخ سے خود فائدہ اٹھاتی ہے۔ مگر باوجود اس

کے یہ امر اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ جب چاہے برطانیہ سے اپنا تعلق توڑ دے۔ دوسری حدبندی اس کی کامل آزادی پر یہ ہے کہ جب تک وہ جُدا نہ ہو وہ اہم خارجی معاملات کے تصفیہ میں برطانوی حکومت کے توسط سے کام لیتی ہے ورنہ اندرونی طور پر وہ پوری طرح مختار ہے۔ وہ نہ صرف عام قوانین اپنے لئے بنا سکتی ہے' بلکہ اپنے قانون اساسی کو بھی بدل سکتی ہے۔

اس قسم کی آزاد حکومت ہے جس کا مطالبہ اس وقت نہرو کمیٹی نے کیا ہے اور اس مطالبہ میں تمام ہندوستان سوائے چند لوگوں کے اس کے ساتھ شامل ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسی آزاد حکومت کے قوانین میں تبدیلی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت ہم نے اسی امر پر غور کرنا ہے کہ اگر موجودہ فیصلہ جو نہرو کمیٹی نے کیا ہے ہمارے موافق نہ ہو تو کیا ہم اسے بدلوا سکیں گے۔ اور اگر بدلوا سکیں گے تو کس طرح؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی حکومت میں قوانین کو بدلوانے کے تین ہی طریق ہیں۔ ۱۔ کثرت رائے سے قوانین کو بدل دینا۔ ۲۔ مقابلہ کر کے حکومت کو مجبور کرنا۔ ۳۔ بیرونی حکومتوں کی مدد سے حکومت کو مٹا دینا۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو لوگ اس وقت نہرو کمیٹی کے فیصلہ پر متفق ہیں۔ وہ ان تینوں امور میں سے ایک نہ ایک کو اپنے آئندہ دکھوں کا علاج سمجھ رہے ہیں۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ حقوق جو ہم نے آج چھوڑ دیئے ہیں' کل کو ہمارے لئے ضروری معلوم ہوئے تو ہم پھر مجالس قوانین کے ذریعہ سے قوانین کو بدلوا لیں گے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ بیشک کونسلوں کے ذریعہ سے تو ہم نہیں بدلوا سکتے لیکن اگر کسی تبدیلی کی ضرورت ہوئی تو ہم مقابلہ کر کے زور سے اپنی مرضی کے مطابق قوانین بدلوا لیں گے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ہم میں زور نہیں ہے لیکن ہندوستان کی ہمسایہ حکومتیں مسلمان ہیں ان کی مدد سے ہم ایسی حکومت کو تباہ کر دیں گے جو ہمارے حقوق کے حصول میں روک ڈالے گی۔ اس لئے میں الگ الگ تینوں طریقوں کو لیکر بتاتا ہوں کہ ڈومینین حکومت کے اصول کے مطابق یہ تینوں طریق بظاہر ناممکن ہیں اور ان میں سے ایک کے ذریعہ بھی مسلمان اپنے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ لے سکیں گے۔

کونسلوں کے ذریعہ مسلمانوں کا مطالبات حاصل کرنا

پہلا امر کہ کونسلوں کے ذریعہ سے مسلمان اپنے مطالبات کو پورا کر لیں گے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے جس قدر مطالبات ہیں سب کے سب آئندہ قانون اساسی میں مرکزی حکومت کے سپرد کئے گئے ہیں اور مرکزی حکومت میں

نہرو کمیٹی نے مسلمانوں کو موجودہ حق نیابت سے بھی کم حق دیا ہے یعنی صرف چوتھائی۔ پس جب کہ ہمارا موجودہ تجربہ یہ ہے کہ تیس فیصدی حق کے باوجود بھی مسلمان اسمبلی میں اپنی مرضی نہیں منوا سکتے۔ حالانکہ بعض دفعہ وہ گورنمنٹ کے ممبروں سے بھی مل جاتے ہیں۔ تو آئندہ پچیس فیصدی ممبروں کے ساتھ وہ کیا کچھ کر سکیں گے اور خصوصاً جب کہ انگریز ممبروں کا عنصر آزاد حکومت میں سے بالکل مٹ جائے گا۔ پھر خصوصاً جب کہ سوال کسی عام پالیسی کا نہ ہو گا' بلکہ یہ ہو گا کہ مسلمانوں کی طاقت موجودہ قوانین کی وجہ سے کمزور ہے۔ ان کو طاقتور کرنے کے لئے قوانین میں تبدیلی کرنی چاہے اور ان کے پرانے مطالبات کو پورا کر دینا چاہئے۔ کیا کوئی عقلمند ایک منٹ کیلئے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ اس سوال کے پیش ہونے پر ایک ہندو بھی مسلمانوں کے حق میں ووٹ دے گا۔ اور کیا کوئی عقلمند بھی اس امر کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ اس صورت میں پچیس فی صدی ممبر چھہتّر فیصدی ممبروں کی رائے کے خلاف قانون پاس کرالیں گے۔ اور پھر جب ہم یہ دیکھیں کہ جس قانون کی تبدیلی کا سوال ہو گا وہ قانون اساسی ہے نہ کہ عام قوانین اور قوانین اساسی کی تبدیلی اور بھی زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ نہرو کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۲۳ پر قانون اساسی کے بدلنے کا مندرجہ ذیل طریق پیش کیا ہے:-

"پارلیمنٹ نیا قانون بنا کر قانون اساسی کی جس دفعہ کو چاہے منسوخ یا تبدیل کر سکتی ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ وہ بل جس میں قانون اساسی کی تبدیلی کا سوال اٹھایا گیا ہو وہ پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کی مشترکہ میٹنگ میں پاس ہوا ہو۔ اس طرح کہ تیسری دفعہ ووٹ لیتے وقت دونوں مجالس کے ممبروں کی کل تعداد میں سے کم سے کم دو تہائی ممبر دونوں مجالس کے اس کے پاس کرنے پر متفق ہوں۔"

اس قاعدہ کی رو سے مسلمانوں کو اگر محسوس ہو کہ انہوں نے نہرو کمیٹی کی رائے کو قبول کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور اپنے مطالبات کے چھوڑنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے تو انہیں موجودہ مطالبات پورا کرانے کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہو گا کہ ان کا ہر ایک ممبر اس وقت مجلس میں موجود ہو اور ان کے پیش کردہ مسودہ کی تائید کرے' بلکہ یہ بھی ضروری ہو گا کہ ہندو ممبروں کی کُل تعداد میں سے بھی بیالیس فیصدی یعنی دو سَو چونتیس ممبر اُن کی تائید میں ہوں۔ کیا کوئی نیم مجنون بھی یہ امید کر سکتا ہے کہ ایک ایسے مسودہ کی تائید جس کا مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور جس کی وجہ سے ہندوؤں کو اپنے بعض غصب کئے ہوئے حقوق واپس کر دینے پڑتے

ہوں‘ اس قدر ہندو ممبر کسی وقت بھی کرنے کے لئے تیار ہونگے۔ اور یہ اندازہ بھی درحقیقت تھوڑا ہے کیونکہ یہ فرض کرلینا کہ کوئی وقت ایسا آئے گا کہ سب کے سب پارلیمنٹ کے ممبر جمع ہو جائیں گے درست ہی نہیں۔ یورپ کی پارلیمنٹوں میں بھی ایسا نہیں ہوتا۔ سات سو کی تعداد میں سے کچھ بیمار ہونگے‘ بعض کے رشتہ دار بیمار ہونگے‘ بعض کو ایسے کام پیش آجائیں گے جن کو چھوڑ کر وہ نہ آسکیں گے۔ پس بیس فی صدی ممبروں کو غیر حاضر فرض کرلینا چاہئے۔ اور اس صورت میں مسلمانوں کو ہندوؤں کے حاضرالوقت ممبروں میں سے ساٹھ فیصدی ممبروں کی تائید کی ضرورت ہوگی۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی مسلمان خواہ اِس وقت وہ کس قدر ہی نہرو کمیٹی کی تائید میں ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ آج سے دس سال کے بعد اگر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے مخلوط انتخاب مضر ثابت ہوا ہے۔ جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہونگے کہ ہندو اپنی تعداد سے زیادہ ممبریاں لے جاتے ہیں۔ یا ایسے مسلمان ممبر بھیج دیتے ہیں جو بجائے مسلمانوں کے فائدہ کے ہندوؤں کا فائدہ کریں‘ تو اس وقت خود ہندوؤں میں سے ۶۰ فیصدی ممبر پارلیمنٹ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس بات پر ووٹ دیں گے کہ ہندوؤں کو اس فائدہ سے روکا جائے اور مسلمانوں کو جُداگانہ انتخاب کا حق دے دیا جائے۔ یا یہ کہ صوبہ جات کو اندرونی معاملات میں آزاد حکومت دے دی جائے۔ اگر نہیں اور ہر عقلمند کہے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا‘ تو میں پوچھتا ہوں کہ جب بعد میں اپنے حقوق واپس لینے ناممکن ہونگے تو کیوں ابھی ان کے حصول پر زور نہ دیا جائے۔

زور سے اپنے مطالبات پورے کرانا

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان زور سے اپنے حقوق لے لیں۔ اس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کیا مسلمان اپنے اندر وہ زور محسوس کرتے ہیں؟ اس وقت انگریز اس ملک پر حاکم ہیں اور وہ چونکہ غیر ملک کے باشندے ہیں‘ ان کی تعداد یہاں صرف چند لاکھ ہے۔ ہندو مسلمان دونوں ان سے حکومت واپس لینے پر متفق ہیں۔ مگر کیا باوجود اس کے ہمارا زور اس حد تک کارآمد ہوا ہے کہ فوراً حکومت کو بدل دیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر اس وقت جب کہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور اس حکومت کی پہلی شکل کو قائم رکھنے کا فائدہ چند لاکھ نہیں بلکہ چھبیس کروڑ آدمیوں کو پہنچتا ہوگا کیا مسلمان کسی قسم کا بھی زور دکھا سکیں گے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فوج مرکزی حکومت کے قبضہ میں ہوگی اور یہ خیال

کرنا کہ مسلمان سپاہی اس گورنمنٹ کو چھوڑ کر جس کے وہ تنخواہ دار ہونگے مسلمانوں کا ساتھ دیں گے ایک بعید از قیاس امر ہے۔ اب بھی دیکھ لو کہ وہ برطانوی حکومت کا ساتھ دیتے ہیں یا ہندوستانیوں کا۔ سپاہی کی اٹھان ہی وفاداری کے جذبات پر ہوتی ہے۔ اور وہ حکومت کی مخالفت کا ارتکاب کرنے کیلئے جلد تیار نہیں ہوتا۔ نیز آجکل فوج کا نظام ایسا ہے کہ کوئی حصہ بغاوت نہیں کر سکتا کیونکہ کوئی حصہ فوج کا اپنی ذات میں مکمل نہیں ہوتا۔ بلکہ چھ سات قسم کی فوج ہوتی ہے۔ جو جنگ کے وقت ایک دوسرے کی محتاج ہوتی ہے۔ اور ہر حصہ جانتا ہے کہ اگر میں علیحدہ ہو جاؤں تو خود تباہ ہو جاؤں گا۔ علاوہ ازیں ہوائی جہاز اور ٹینک اور نئی قسم کی توپوں نے اب جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ ایک جہاز ایک علاقہ کے علاقہ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایک ٹینک ایک فوج کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ غرض اب جنگ آلاتِ جنگ پر منحصر ہے' نہ کہ انسانی طاقت اور شجاعت پر۔ اور اس وجہ سے بہادری اور قربانی بغیر آلاتِ جنگ کے وہ نفع نہیں پہنچا سکتی جو آج سے پہلے پہنچا سکتی تھی۔ اسی وجہ سے آج کل جن ملکوں میں بغاوت ہوتی ہے۔ وہ ایک حصہ رعایا کی بغاوت نہیں ہوتی' بلکہ سب ملک کی بغاوت ہوتی ہے۔ لوگ اندر ہی اندر سب ملک کو اکساتے ہیں اور فوج اور حکام اور رعایا یک دم مقابلہ کرتی ہے۔ اور صرف چند اعلیٰ افسر مقابلہ پر رہ جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں یہ صورت مسلمانوں کیلئے کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اکثر حصہ آبادی کا ہندو ہے اور لامحالہ ان کو ہندو گورنمنٹ سے ہی ہمدردی ہوگی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو اس امر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہندو قوم بنئے کا ہی نام نہیں۔ پنجاب کے مسلمان عام طور پر اسی وہم میں مبتلاء ہیں کہ ان بنیوں نے ہمارا کیا مقابلہ کرنا ہے۔ حالانکہ سکھ بھی تمدنی لحاظ سے ہندوؤں میں شامل ہیں گو مذہباً وہ ان سے دور اور مسلمانوں کے قریب ہیں۔ دوسرے بعض سیاسی حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ جب تک کوئی خاص دل و دماغ کا لیڈر پیدا نہ ہو سکھ سیاستاً بھی ہندوؤں سے ملنے پر مجبور ہونگے کیونکہ سکھ صرف پنجاب میں ہیں۔ اور یہاں انہیں ویسی ہی اہمیت حاصل ہے جو تمام ہندوستان میں مسلمانوں کو حاصل ہے۔ لیکن پنجاب کے مخصوص حالات کے ماتحت کہ یہاں کی اکثریت جو مسلمانوں پر مشتمل ہے بہت تھوڑی ہے' انہیں خاص حقوق نہیں دیئے جا سکتے۔ اور ان کی اس خواہش کے پورا ہونے میں روک مسلمان ہیں۔ پس وہ ان حالات سے مجبور ہیں کہ ہندوؤں سے سمجھوتہ کریں۔ اسی وجہ سے باوجود مسلمانوں کی کوشش کے اور گوردواروں کے معاملہ میں ہندو قوم کے مقابلہ کے

سکھ ہندوؤں سے زیادہ ساز باز رکھتے ہیں۔ سکھوں کے علاوہ خالص ہندو اقوام جو لڑنے کے قابل ہیں ہندو جاٹ' ہندو راجپوت' ڈوگرے' پوربی' مرہٹے اور جنوبی ہند کی بہت سی اقوام ہیں۔ گورکھے گو مذہبًا بدھ ہیں مگر وہ اپنے آپ کو ہندو مذہب کا حصہ سمجھتے ہیں۔ پس یہ خیال کر لینا کہ ہندوؤں میں طاقت کہاں سے آئی۔ ایک وہم اور ایک دل خوش کن لیکن تباہ کرنے والے خیال سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا مسلمان اس امر پر پھول رہے ہیں کہ اس وقت فوجوں میں مسلمانوں کا عنصر زیادہ ہے' حالانکہ یہ انگریزوں کی پالیسی ہے ایک ایسے ملک میں کہ جس میں ہندو آبادی زیادہ ہے۔ اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کیلئے انگریزوں کی مصلحت یہی ہونی چاہئے کہ وہ قلیل التعداد جماعتوں کو ان کی نسبت سے زیادہ فوج میں بھرتی کریں۔ لیکن ایک آزاد ہندوستان میں یہ ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ اس کے برخلاف اکثریت کو یہ خیال ہو گا کہ اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کیلئے اپنے ہم مذہبوں کی فوج کو بھرتی کریں۔ اور سکھ' ڈوگرے' راجپوت' جاٹ' مرہٹے' گورکھے' پوربی اور جنوبی ہند کی اقوام کو ملا کر کم سے کم پانچ چھ کروڑ کی آبادی ہے جس میں سے فوج بآسانی بھرتی کی جا سکتی ہے۔ پس یہ خیال کہ ہم زور سے منوا لیں گے' ایک شیطانی وسوسہ ہے' جسے جس قدر جلد دل سے نکالا جائے اسی قدر اچھا ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم عدمِ تعاون سے کام لیں گے۔ لیکن یاد رہے کہ عدم تعاون بڑی جماعت چھوٹی جماعت کے مقابلہ میں استعمال کر سکتی ہے۔ نہ کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت کے مقابلہ میں۔ تھوڑے سے لوگ اور خصوصاً وہ لوگ جن کے کام پر ملک کا تمدن یا ملک کی سیاست قائم نہیں' بہتوں کے مقابلہ میں کر کیا سکتے ہیں۔ بردولی میں ہندوستانیوں کو کیا طاقت حاصل تھی۔ یہی کہ ملک ان کے ساتھ تھا۔ انگریز اپنے ملک سے آکر ہندوستان کی زمینداریاں خرید نہیں سکتے تھے۔ لیکن اگر کسی وقت ہندو مسلمان کا مقابلہ ہو' تو ہندوؤں کو وہ دقت نہ ہو گی جو انگریزوں کو ہے۔ ان کے پاس ایک ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین تین ہندو موجود ہونگے۔ پس عدم تعاون سے مقابلہ کا خیال بھی بالکل دور از قیاس ہے۔

بیرونی ممالک کی امداد سے مطالبات حاصل کرنا

تیسری صورت یہ ہے کہ بیرونی ملکوں سے مل کر مسلمان اپنے حقوق واپس لے لیں۔ مگر یہ بھی ممکن نہ ہو گا۔ کیونکہ اول تو دوسرے ملکوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ ان کی خاطر ایک زبردست ہمسایہ طاقت سے لڑیں۔ کیا اس سے پہلے قریب کے زمانہ میں کسی

اسلامی حکومت نے بھی دوسری اسلامی حکومت کی مدد کی ہے کہ ہندوستان کی رعایا کی مدد کرنے کے لئے پاس کی حکومتیں آجائیں گی۔ دوسرے یہ خیال کہ اگر کوئی حکومت باہر سے آئے گی تو وہ صرف مسلمانوں کو حق دے کر واپس چلی جائے گی اور صرف اس کام کے لئے لاکھوں جانوں اور اربوں روپیہ کا نقصان قبول کرے گی' ایک مجنونانہ خیال ہے۔ جو باہر سے حملہ کرے گا وہ یا سب مفتوحہ ملک کا مطالبہ کرے گا یا ایک حصہ کا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس خیال کے خلاف خود مسلمانوں کا ہی ایک حصہ کھڑا ہو جائے گا۔ اور وہ بیرونی لوگوں کو اپنے ملک میں گھسنے دینے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ اگر بفرضِ محال کوئی بیرونی قوم اس امر کے لئے تیار ہوئی بھی تو ہندوستان جیسے وسیع ملک کا مقابلہ اور پھر اس حالت میں کہ وہ جدید آلاتِ حرب کا ذخیرہ رکھتا ہو کونسی قوم کرے گی۔ افغانستان کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ اس سے ڈیوڑھی ایران کی ہے۔ ہندوستان کی آبادی تینتیس کروڑ ہے۔ چوتھے اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کو نو آبادی کی حکومت ملنی ہے نہ کہ خود مختار۔ اس لئے ہندوستان پھر بھی برطانوی حکومت کا جزو ہوگا۔ اور ساری برطانوی طاقت ایسے وقت میں ہندوستان کی حفاظت کیلئے جمع ہو جائے گی۔ پس دنیوی سامانوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ امر بھی ناممکن ہے۔ اور علاوہ ازیں ایسی امید رکھنی اخلاقی طور پر بھی ایک بہت بڑا گناہ اور قومی غداری ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ خیال کرے کہ چونکہ ہندوستان کامل طور پر آزاد نہ ہوگا۔ ہم برطانوی حکومت سے اپیل کر کے اپنے حقوق لے لیں گے۔ لیکن جو کچھ میں اوپر ڈومینین گورنمنٹ (DOMINION GOVERNMENT) کے حقوق کے متعلق لکھ آیا ہوں' اس کو غور سے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ صورت بھی ناممکن ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہاں سوال یہ نہیں کہ ہندو ہمارے حقوق چھین لیں گے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس وقت بعض حقوق ہم اپنی مرضی سے چھوڑ رہے ہیں۔ اگر بعد میں ہمیں اپنی غلطی معلوم ہو تو ان حقوق کو پھر تسلیم کرانے کا کیا ذریعہ ہے۔ اب یہ بات قانون سے واضح ہے کہ گو برطانیہ نے رسمی طور پر ڈومینینز کے فیصلوں کو رد کرنے کا حق تو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن یہ حق برطانیہ کو رسماً بھی حاصل نہیں کہ وہ نئی بات ڈومینینز سے منواوے۔ پس قانوناً اس سوال میں برطانیہ کو بھی کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر برطانیہ کو کوئی حق حاصل بھی ہو تو بھی کیا کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ برطانیہ ایسے معاملہ میں دخل دینا پسند کرے گا۔ میں برطانیہ پر حسن ظن رکھتا ہوں مگر میں بھی جو

اس پر حسنِ ظن رکھتا ہوں ایک منٹ کے لئے خیال نہیں کر سکتا کہ برطانیہ کسی دوسرے کے لئے اپنے قومی نقصان کو برداشت کر لے گا۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ڈومینین حکومت کا تعلق برطانوی حکومت سے صرف قلبی ہوتا ہے کوئی مادی طاقت اسے برطانوی حکومت سے وابستہ نہیں کرتی۔ اس کی فوجیں اپنی' اس کی ممبری طاقت اپنی' اس کا نظام اپنا' ایک گورنر ہی ہے نا جو برطانیہ سے آتا ہے اور وہ بھی بے اختیار اور جب نو آبادیوں کو یہ حق بھی حاصل ہو کہ جب وہ چاہیں' برطانیہ سے الگ ہو جائیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے کہ برطانیہ ایک قلیل التعداد جماعت کی خاطر ایک اتنی بڑی حکومت کو ناراض کر لے گا جو اس کے تاج کا ہیرا کہلاتی ہے۔ برطانیہ کا انصاف اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کے قومی فوائد کو نقصان نہیں پہنچتا۔ جس وقت اس کے قومی فوائد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو وہ ایسے معاملہ کو اس کی اندرونی حقیقت کے لحاظ سے نہیں دیکھے گا۔ بلکہ شاہی مصالح کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قلیلُ التعداد جماعتوں کا ساتھ کوئی نہیں دیا کرتا جب تک اپنا ذاتی فائدہ نہ ہو۔ قلیل التعداد جماعتوں کو اپنے فوائد کی نگرانی خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ میں اس امر کے متعلق کہ قلیل التعداد جماعت کو انصاف پانے میں نہایت دقت ہوتی ہے' اس شخص کی شہادت پیش کرتا ہوں جو اس وقت اس مسئلہ کا سب سے بڑا عالم ہے۔ میری مراد پروفیسر گلبرٹ مرے سے ہے۔ یہ صاحب جنگ عظیم کے بعد صلح کی کانفرنس میں برطانوی سفارت کے ساتھ بطور ماہر فن کے بھیجے گئے تھے۔ اور اس کے بعد لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONINS) کی تنظیم میں بھی انہوں نے کام کیا ہے۔ انہیں قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق کا خاص خیال ہے۔ چنانچہ انہوں نے لیگ میں کئی مفید تجاویز ایسی پیش کی ہیں۔ جن میں قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ یہ صاحب دی پروٹیکشن آف مائناریٹیز (PROTECTION OF MINORITIES) مصنفہ مس ایل۔ پی۔ میر ایم اے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"وہ فرض جو کونسل کا مقرر کیا گیا تھا۔ وہ اس عظیم الشان مجلس کی شرمیلی شرافت کو کسی قدر مرعوب کرنے والا ثابت ہوا ہے۔ مظلوم اقلیتوں کی حمایت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنی ہر دلعزیزی کھو بیٹھے۔ اور کونسل کے کسی ممبر نے شکایتیں سننے یا بے انصافی کے دور کرنے میں کوئی غیر واجبی چستی نہیں دکھائی۔"[۲۱]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قلیل التعداد جماعتوں کی اپلیں بھی چنداں کارگر نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کی مدد کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کثیر التعداد جماعتوں سے لڑا جائے۔ اور دوسرے کی خاطر اس بکھیڑے میں پڑنے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ پس اس دروازہ کو بھی مسلمانوں کو بند ہی سمجھنا چاہئے۔ کیا مسلمان نہیں دیکھتے کہ جس وقت سے اصلاحات جاری ہوئی ہیں۔ انگریزوں میں سے اکثر حصہ روز بروز ہندوؤں کے ہاتھوں میں پڑتا جاتا ہے۔ انگریزی اخباروں کو پڑھ کر دیکھو۔ وہ بہ استثنائے چند سب کے سب ہندوؤں کی تائید میں ہیں۔ انگریز مدبّروں کی تقریریں پڑھو وہ سب کے سب ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کے مؤیّد ہیں۔ انگریز حکام کو دیکھو۔ وہ ہندو قوم کی پیٹھ پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ آخر یہ کیا بات ہے۔ کیا مسلمان سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہندو حق پر ہیں اور مسلمان ناراستی پر۔ اگر ان کا یہی خیال ہے تو وہ اپنی ناراستی کو کیوں نہیں چھوڑتے اور کیوں سچائی کو اختیار نہیں کرتے۔ لیکن اگر یہ بات نہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فوری تبدیلی اصلاحات کی وجہ سے ہے۔ چونکہ اس ملک میں نیابتی حکومت کی بنیاد ڈالدی گئی ہے۔ اس لئے انگریز بھی روز بروز ہندوؤں کی طرف جھک رہے ہیں۔ ان کے اندر وہی مقولہ تغیّر پیدا کر رہا ہے کہ:-

یار غالب شو کہ تا غالب شوی

اور ابھی تو ابتداء ہے۔ جس وقت ہندوستان کو کامل نیابتی حکومت مل گئی اور اسمبلی پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا اس وقت تو انگریزوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہو گا کہ ہندوؤں کی خوشی اور رضا کو حاصل کریں۔ آئرلینڈ میں اپنے ہموطنوں اور ہم مذہبوں کے مقابلہ میں اگر جنوبی آئرلینڈ والوں کی بات کو انگریزوں نے تسلیم کر لیا تھا' تو ہندوستانی مسلمانوں کا ساتھ خلافِ مصالحِ ملکی کے وہ کب دینے لگے۔ پس مسلمانوں کو آج ہی ہوشیار ہو جانا چاہئے اور اپنے حقوق محفوظ کر لینے چاہئیں۔ ورنہ جو کچھ وہ آج چھوڑیں گے' کل انہیں کسی صورت میں نہیں مل سکے گا اور ان کے لئے دو ہی دروازے کھلے ہونگے۔ یا اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کر ہندوؤں سے جا ملنا اور یا پھر آہستہ آہستہ اپنی قوم کو تباہ اور برباد ہونے دینا۔ کیا ان دونوں طریقوں میں سے کسی کو بھی مسلمان پسند کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں' تو میں آج انہیں یہ کہہ کر اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہوں کہ اپنے حقوق لینے کا یہی وقت ہے۔ اس وقت آپ نے غلطی کی تو پھر آپ کا ٹھکانا کہیں نہ ہو گا۔ پس جلد بازی سے آزاد حکومت کے لالچ میں اپنی موجودہ آزادی کو بھی نہ کھو ڈالیں اور

ایک دوسرے سپین کا نظارہ پیدا نہ کریں کہ ہمارے رونے کے لئے پہلا سپین ہی کافی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشش نہ کرو۔ اب جب کہ انگلستان نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ ہندوستان کو نیابتی حکومت کا حق ہے' اس لئے جو جائز کوشش کی جائے' میں اس میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوں۔ مگر جو چیز مجھ پر گراں ہے اور میرے دل کو بٹھائے دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کئے بغیر آئندہ طریق حکومت پر راضی ہو جائیں۔ اس کے نتائج نہایت تلخ اور نہایت خطرناک نکلیں گے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ جب تک کہ دونوں مسلم لیگز کی پیش کردہ تجاویز کو قبول نہ کر لیا جائے' اس وقت تک وہ کسی صورت میں بھی سمجھوتے پر راضی نہ ہوں گے ورنہ جو خطرناک صورت پیدا ہو گی اس کا تصوّر کر کے بھی دل کانپتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نہرو کمیٹی کے مخالف جو مسلمان ہیں خواہ مسلم لیگ کے ممبر ہوں خواہ خلافت والے خواہ دوسرے لوگ' ان کے وہ مطالبات جو میں اوپر لکھ آیا ہوں' اگر ان کی بناء پر فیصلہ ہو تو پھر مسلمانوں کو فیصلہ کی تبدیلی کا خوف نہیں رہتا۔ کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بعد میں ان احتیاطوں کے ضرورت نہ رہے تو قوانین کا تبدیل کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔ کیونکہ ان کے بدلنے میں مسلمانوں کا فائدہ نہیں بلکہ ہندوؤں کا فائدہ ہو گا اور ہندو اس تبدیلی کی مخالفت نہیں کریں گے۔

کیا قلیل التعداد جماعتوں کو خاص قوانین کی ضرورت ہوتی ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جو مدتوں سے زیر بحث ہے۔ رومی امپائر (EMPIRE) نے یہودیوں کے متعلق چند سال کے لئے عارضی طور پر اور اسلامی حکومت نے ابتدائے عہد سے غیر مسلموں کے متعلق ایسے قوانین کو جاری کیا تھا کہ جن سے اقلیتوں کی حفاظت ہو سکے۔ قسطنطنیہ کی فتح پر محمد ثانی نے مسیحیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص قواعد بنائے۔ جن کا بیشتر حصہ فروری ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ جبکہ ترکی حکومت نے اسلامی قوانین کی جگہ سوئیٹزرلینڈ کا قانونِ دیوانی اپنے ملک میں جاری کر دیا۔ لیکن اس سوال کو بین الاقوامی حیثیت سب سے پہلے ۱۸۱۴ء میں حاصل ہوئی ہے۔ جبکہ کانگریس آف ویئنا (VIENNA) نے یونائیٹڈ نیدرلینڈ (UNITED NETHER LAND) کی نئی حکومت قائم کی۔ چونکہ اس ملک میں دو مذہب اور دو زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اس لئے

قلیلُ التعداد جماعتوں کی حفاظت کے لئے ایک دستاویز لکھی گئی جو تاریخ میں "آٹھ دفعات" کے نام سے مشہور ہے اس کی دفعہ (۲) یہ ہے۔

"قانونِ اَساسی کی ان دفعات میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکے گی جو تمام مذاہب کو یکساں حق اور آزادی عطا کرتے ہیں۔ اور سب شہریوں کو خواہ ان کا کوئی مذہب ہو۔ سرکاری عُہدوں اور اعزازوں کا مستحق قرار دیتے ہیں۔"[۲۲]

پھر دفعہ (۴) یہ ہے کہ:-

"تمام باشندگان نیدرلینڈ اس طرح برابر کے حقوق حاصل کر کے تمام ایسے تجارتی اور دوسرے حقوق پر یکساں دعویٰ رکھیں گے، جن کی ان کے حالات اجازت دیتے ہیں۔ اور کوئی روک یا مشکل ان کے راستہ میں نہ ڈالی جائے گی۔ جس سے دوسری قوم زیادہ فائدہ حاصل کرلے۔"[۲۳]

چونکہ اُس وقت تک صرف مذہب ہی اختلاف کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسی کا ذکر اس معاہدہ میں کیا گیا تھا۔ گو بعد میں ثابت ہوا کہ اکثریت اقلیت کو تباہ کرنے کے لئے اور ذرائع بھی ایجاد کر لیتی ہے۔ چنانچہ نیدرلینڈ میں فلیمنگ زبان کو دبا کر جو اقلیت کی زبان تھی، اقلیت کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ۱۸۳۰ء میں یونان کی حکومت کے قیام کے وقت ۱۸۶۳ء میں جزائر آیونین کی علیحدگی کے وقت ۱۸۵۶ء میں رومانیہ کی علیحدگی کے وقت کانگرس آف برلن میں ۱۸۷۸ء میں سرویا مانٹینگرو اور بلغاریہ کے علاقوں کے متعلق اقلیتوں کی حفاظت کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا اور ایسے قوانین تجویز کئے گئے کہ اقلیتوں کے حقوق تلف نہ ہو سکیں۔

جنگ عظیم کے بعد یورپ میں نئی تبدیلیاں ہوئیں تو پولینڈ، لتھیونیا، لٹویا، استھونیا، آسٹریا، ہنگری، رومانیا، زکوسلویکا (CZECHOSLOVAKIA)، یوگوسلیویا (YUGOSLAVIA) سے خاص معاہدات لئے گئے، جن کا نام معاہدات متعلق اقلیت ہے۔ ان معاہدات میں اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق اکثریتوں کے دستِ تصرّف سے محفوظ رہیں۔

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت صدیوں سے زیر بحث ہے اور اقوام عالم اس کی اہمیت کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اور اس وقت عام طور پر یہ امر

تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ اقلیتوں کو خصوصاً جبکہ وہ ممتاز وجود رکھتی ہوں۔ خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی اختلاف ہے تو صرف یہ ہے کہ بعض اقوام اس امر کی دعویدار ہیں کہ ان کے ملکوں میں چونکہ اقلیتوں کو اکثریت سے کوئی اختلاف نہیں' اس لئے ان کے ملک میں یہ قانون نہ جاری کیا جائے۔ لیکن دوسری اقوام کہتی ہیں کہ نہیں۔ جب ہمارے ملک میں یہ قانون جاری کیا گیا ہے۔ تو سب اقوام کو اس پر عمل کرنے کا معاہدہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ دی پروٹیکشن آف مائناریٹیز کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے:۔

"لیکن پریزیڈنٹ ولسن (PRESIDENT WILSON) نے اس امر کا کوئی جواب نہ دیا کہ اقلیتوں کی حفاظت کا قانون ان تمام حکومتوں میں جاری ہونا چاہئے جن میں اقلیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سوال اب تک بھی بغیر جواب کے پڑا ہے۔ اور وہ عدم مساوات جو ان معاہدات سے پیدا ہوئی ہے۔ (کہ نئی حکومتوں کو اس کا پابند کیا گیا ہے لیکن پرانی حکومتوں کو نہیں) اس کو بہ نسبت اس اندرونی معاملات میں دخل اندازی کے جسے ان معاہدات میں جائز قرار دیا گیا ہے' بہت زیادہ بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

جنگ عظیم کے بعد جن ملکوں میں نئی اقلیتیں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اٹلی بھی ہے جس سے اقلیتوں والا معاہدہ نہیں لیا گیا۔ لیکن وہاں جو حال اقلیتوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقلیتوں کو حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے۔ (اور مسلمان بھی اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ اگر خود حفاظتی کے بغیر انہوں نے ہندوؤں سے سمجھوتہ کر لیا تو ان کا کیا انجام ہو گا) اٹلی کو جو نیا علاقہ جنگ کے بعد ملا ہے' اس میں سے کچھ تو وہ ہے جس میں جرمن آبادی پائی جاتی ہے اور کچھ وہ ہے جس میں سرب اور کروٹس پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے اٹلی نے جو ہندوستان سے یقیناً زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے' کیا سلوک کیا ہے۔ وہ خود سینور میوزلمینی کی ایک گفتگو سے ظاہر ہے۔ فروری ۱۹۲۶ء کو فرانس کے ایک اخبار کے نمائندہ کے سوال کے جواب میں انہوں نے بیان کیا کہ:۔

"جب میں نے جنوبی ٹائرال کا معائنہ کیا۔ (آسٹرین علاقہ جو اب اٹلی کو ملا ہے اور جس میں جرمن نسل کے لوگ بستے ہیں) تو میں نے دیکھا کہ وہاں ہر ایک چیز جرمنی اثر کے ماتحت ہے۔ گرجا' سکول' پبلک' کارکن' ریل اور پوسٹ آفس کے افسر سب

جرمن ہیں ہر جگہ پر صرف جرمنی زبان ہی سننے میں آتی تھی۔ اور لوگ ایسے گیت گاتے تھے جن کا روم میں گانا فوری گرفتاری کا موجب ہوتا۔ اب اس علاقہ کے ہر ایک سکول میں اٹالین زبان لازمی ہے تمام ڈاک خانہ اور ریل کے افسر اٹالین ہیں۔ اور اب ہم وہاں بہت سے اطالوی خاندان بسانے کی فکر میں ہیں۔ ایک ہزار خاندان پنشنر فوجیوں کا جنوبی ٹائرال کو اس غرض کے لئے بھیجا جارہا ہے کہ وہاں کی زمین کی حالت کو اچھا بنائیں۔ اس طرح ہم اس ملک کو اطالوی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" ۲۴

اس اطالوی بنانے کی تفصیل یہ ہے کہ:-

"تمام قانون صرف اطالوی زبان میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کا اعلان اطالوی زبان کو عدالتوں میں لازمی قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح قلیل التعداد جماعتوں کے قانونی حق کو سخت صدمہ پہنچاتا ہے۔ یہ اعلان اطالوی زبان کے سوا باقی سب زبانوں کو دیوانی یا فوجداری کارروائیوں میں خواہ زبانی ہو یا تحریری ممنوع قرار دیتا ہے اسیسر (ASSESSOR) وہی لوگ بنائے جا سکتے ہیں جو اطالوی زبان جانتے ہوں۔ تمام کاغذات اور شہادتیں جو اور کسی زبان میں ہوں' ردّ کر دی جاتی ہیں۔" ۲۵

"چونکہ صرف اطالوی جاننے والے لوگ اسیسر بنائے جاتے ہیں اس لئے اقلیتوں کے ہر فرد کو یہی امید رکھنی چاہئے کہ سب کی سب جیوری (JURY) اس کے قطعی طور پر مخالف ہوگی" ۲۶

"کوئی ایک فرد بھی اقلیتوں کا ان قوانین سے کسی نہ کسی وقت متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن ٹولومئی (اطالوی وزیر) کے پروگرام میں مذکور بالا امور کے علاوہ اور ذرائع بھی لوگوں کو اطالوی قوم میں شامل کر لینے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔" ۲۷

ان امور کو گنانے کے بعد دی پروٹیکشن آف مائناریٹیز کی لائق مصنفہ لکھتی ہے کہ:-

"صرف اقلیتوں کے معاہدات نے ہی دوسری حکومتوں کی اقلیتوں کو اس انجام سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ مثال اس امر کی کہ بغیر حد بندیوں کے قوم پرستی کیا کچھ کر سکتی ہے۔ ظاہر کرتی ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے معاہدات کیسے ضروری ہیں

اور یہ کیسی سخت غلطی تھی کہ اطالوی حکومت کی خود اختیاری کا احترام کرتے ہوئے اسے اس معاہدہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔"۲۸؎

مجھے اس مثال کے بعد اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ اقلیتوں کی حفاظت کی اشد ضرورت ہے۔ اٹلی جس میں اس امر کا لحاظ نہیں کیا گیا' اس جگہ اقلیتوں کی حالت باٌوازِ بلند دوسرے ایسے ہی ممالک کو کہہ رہی ہے کہ:۔

من نہ کردم شما حذر بکنید

اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ باوجود عبرت کے موجود ہونے کے فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں۔

نہرو رپورٹ کے نزدیک اقلیتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت نہیں

جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس کے بعد اس کی ضرورت تو نہیں کہ میں نہرو رپورٹ کے دعویٰ کو پیش کر کے ردّ کروں۔ لیکن اس خیال سے کہ تفصیل شاید اس مسئلہ کو اور روشن کر دے' میں بتانا چاہتا ہوں کہ:۔

نہرو کمیٹی نے بھی اس امر پر زور دیا ہے اور کانگریس والے اور مہاسبھا والے بھی ہمیشہ اس امر پر زور دیتے چلے آئے ہیں کہ قلیلُ التعداد جماعتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب انصاف کے ساتھ قواعد بنائے جائیں تو ان کے ماتحت قلیلُ التعداد جماعتوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہمیشہ ہندوؤں کی طرف سے پیش ہوتی چلی آئی ہے اور نہرو کمیٹی کے بین السطور سے بھی یہ صاف ظاہر ہے۔ بلکہ نہرو کمیٹی تو ایک عجیب نرالی منطق بھی چھانٹتی ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ:۔

"اگر قومی حفاظت کی ضرورت کسی جماعت کے لئے ضروری بھی ہو۔ تو اس کی ضرورت دو بڑی جماعتوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے تو بالکل نہیں۔ اس کی ضرورت ان چھوٹی اقوام کے لئے تسلیم کی جاسکتی ہے جو سب ملکر ہندوستان کی دس فیصدی آبادی بنتی ہے۔"۲۹؎

گویا اول تو قلیلُ التعداد جماعتوں کی حفاظت کے قواعد کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر ہو تو پھر بالکل چھوٹی جماعتوں کو ہے نہ کہ مسلمانوں کو۔ اس منطق کے سمجھنے سے میں قاصر ہوں اور یہ

عقل کے بالکل برخلاف ہے۔ یہ بات تب درست ہو سکتی ہے اگر ہم مندرجہ ذیل امور کو صحیح سمجھ لیں جو ہرگز درست نہیں۔ (۱) بڑی اقلیت اور اکثریت میں اختلاف کا امکان بہ نسبت چھوٹی اقلیت کے کم ہوتا ہے۔ (۲) یکساں قواعد تجویز کرنے سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔

میں ان دونوں باتوں کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور نہ کوئی اور عقلمند انہیں صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ پہلا دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ اقلیت اور اکثریت میں جھگڑا اقلیت اور اکثریت کے سبب سے نہیں ہوتا بلکہ بعض ایسے اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے جو دونوں کو مدمقابل پر لاکر عداوت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ اسباب پیدا ہوں تو خواہ اقلیت بڑی ہو یا چھوٹی، اکثریت اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔

اقلیت اور اکثریت کے ٹکرانے کے اسباب

ان مختلف اسباب میں سے جو اقلیت اور اکثریت میں ٹکراؤ کرا دیتے ہیں مندرجہ ذیل اسباب بڑے بڑے ہیں۔

(۱) اقلیت قریب زمانہ میں پہلے حاکم رہی ہو۔ اور اس نے اکثریت پر ظلم کئے ہوں یا اکثریت کو یہ یقین دلا دیا گیا ہو کہ اس نے ظلم کئے ہیں ان دونوں صورتوں میں اکثریت کے ذہن پر یہ بات غالب ہوتی ہے کہ ہم نے ان لوگوں سے پچھلے بدلے لینے ہیں۔

(۲) اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن میں اکثریت سے اعلیٰ اور اس پر غالب ہو۔ اس صورت میں بھی اکثریت چاہتی ہے کہ اقلیت کو تباہ کر دے۔ کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر اسے ترقی کا موقع دیا گیا تو وہ ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن کو تباہ کر دے گی۔

(۳) جب اقلیت میں کوئی ایسا امر پایا جائے جو اسے اکثریت میں جذب ہونے سے مانع ہو۔ اس وجہ سے اکثریت کو خوف ہوتا ہے کہ ہمیشہ ملک میں دو پارٹیاں رہیں گی۔ اور کسی وقت بھی ہمیں امید نہ ہو گی کہ اقلیت ہم میں جذب ہو کر ایک ہو جائے گی۔ یا جذب نہ ہو گی تو کم سے کم ہمارے ساتھ سموئی جائے گی اور اس کے ممتاز نشانات مٹ کر وہ ظاہر میں ہم سے متّحد ہو جائے گی۔

(۴) جب اقلیت میں کوئی ایسی طاقت پائی جائے جس کی وجہ سے اکثریت کو خوف ہو کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو یہ کسی وقت اکثریت ہو جائے گی۔

(۵) جب اقلیت اپنے آپ کو ملک کا حصہ نہ قرار دے اور اس کی نظر ملکی حدود سے باہر

نکل کر اپنے غیر ملکی بھائیوں پر پڑ رہی ہو۔ اس وقت اکثریت اقلیت سے خائف ہوتی ہے کہ یہ لوگ کسی وقت غداری نہ کریں اور انہیں دبانا چاہتی ہے۔

(۶) جب اکثریت اقلیت کی گری ہوئی اقتصادی حالت کی وجہ سے نفع حاصل کر رہی ہوتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ اقلیت کی بیداری کی وجہ سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔

یہ موٹی موٹی چھ وجوہ ہیں جن میں سے بعض یا تمام کے پائے جانے پر اکثریت اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتی ہے اور جن کی وجہ سے اقلیتوں کو بھی اکثریت سے خوف رہتا ہے۔ اب ان اسباب پر نظر ڈال کر ہر اک عقلمند خیال کر سکتا ہے کہ بڑی اقلیتوں کو چھوٹی اقلیتوں سے کم خطرہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اقلیتوں کو خواہ وہ بہت ہی کم ہوں، خواہ اچھی تعداد میں ہوں، جب بھی اوپر کے حالات پیدا ہو جائیں یکساں خوف ہو گا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جب اقلیت بہت ہی تھوڑی ہو مثلاً صرف ایک فیصدی یا دو فیصدی ہو یا اس سے بھی کم ہو تو اسے کوئی خطرہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ اکثریت سمجھتی ہے کہ اس سے نقصان کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ پس مسیحیوں، بدھوں، پارسیوں وغیرہ کو جن کی مجموعی تعداد دس فیصدی بتائی گئی ہے، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خطرہ ہے تو مسلمانوں کو جن کی نسبت ہندو لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت یہ لوگ بڑھ کر ہم پر غالب ہو جائیں۔

یورپ میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

دوسرے ممالک میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی اور چھوٹی اقلیتوں میں فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں اقلیتوں کی حفاظت کے وقت یہ خیال نہیں کیا گیا کہ اقلیت بڑی ہے یا چھوٹی۔ مثلاً پولینڈ میں اقلیتوں کی تعداد اٹھائیس فیصدی سے زیادہ ہے۔ مگر وہاں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ زیکوسلویکا میں جرمن ہی پچیس فیصدی کے قریب ہیں۔ اور باقی اقلیتوں کی تعداد ملا کر اقلیتوں کی کل تعداد چالیس فیصدی کے قریب ہو جاتی ہے۔ مگر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ پس یہ کہنا کہ صرف چھوٹی اقلیتوں کی حفاظت کی جانی چاہئے نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ دنیا کے دستور کے بھی خلاف ہے۔ اور میں حیران ہوں کہ نہرو کمیٹی نے کس طرح جرأت کی کہ اس عقل و نقل کے خلاف تھیوری کو اس دلیری سے اپنی رپورٹ میں پیش کر دیا۔

اس جگہ میں اس امر کے بیان کرنے سے نہیں رک سکتا کہ زبردست کے لئے ہر ایک

امر دلیل بن جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہماری ہندوستان کی اکثریت یعنی ہندو صاحبان نہرو رپورٹ کے ذریعہ سے جس حقیقت کو ہم سے منوانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ بڑی اقلیتوں کو اور لکھتے ہیں کہ:۔

"چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہو سکتی ہے جو سب مل کر دس فیصدی بنتی ہے۔"[۳۰]

اس کے مقابلہ میں استھونیا (ESTHONIA) کی حکومت جو روس کی سابقہ حکومت سے الگ ہو کر بنی ہے۔ اور جس میں اقلیتوں کی تعداد دس فیصدی ہے[۳۱] وہ لیگ آف نیشنز کے مطالبہ پر کہ ان کے ملک میں بھی اقلیتوں کی حفاظت کا قانون جاری ہونا چاہئے لکھتی ہے کہ:۔

"ہمارے ملک کی اقلیت اتنی چھوٹی ہے کہ اس کے حقوق کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں۔"[۳۲]

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہندوستان کی اکثریت مسلمانوں کو اس لئے حفاظت کا حق نہیں دینا چاہتی کہ ان کی تعداد اتنی کم نہیں کہ انہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہو۔ ہاں دس فیصدی والی اقلیت حفاظت کے لئے قوانین کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ لیکن استھونیا کی اکثریت لکھتی ہے کہ ہمارے ہاں کی اقلیتوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ وہ "اتنی تھوڑی ہیں" کہ صرف دس فی صدی ہیں۔ پس چونکہ اقلیت کی تعداد زیادہ نہیں ہے' اس لئے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے الگ قوانین بنائے جائیں۔ مگر ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ دونوں جوابوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اقلیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی' اکثریت اسے اس کا حق دینے پر راضی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر قسم کے بہانے بنا کر اسے تباہ کرنا چاہتی ہے۔

کیا یکساں قواعد تجویز کرنا انصاف کیلئے کافی ہے

اس اصل کو غلط ثابت کرنے کے بعد کہ خوف کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی اقلیتوں میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ اب میں دوسرے دعویٰ کو لیتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ یکساں قواعد کا تجویز کرنا انصاف کے قیام کے لئے کافی ہے۔ میں نے اس دعویٰ کے لئے یکساں کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ اس لفظ میں انصاف اور مساوات دونوں مفہوم آجائیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کی دو ہی شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ سب کے لئے ایک ہی قانون ہو تو اس سے انصاف قائم ہو جاتا ہے اور کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری شق یہ ہے کہ اگر دونوں

فریق کا یکساں لحاظ رکھ لیا جائے اور قوانین ایسے ہوں کہ دونوں کی ضرورت کا خیال ان میں ہو۔ تو پھر کسی کو شکایت کا موقع نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ دونوں معنوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ نہ یہ درست ہے کہ قوموں کے لئے ایک ہی قانون بنایا جائے تو ان میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ انصاف قائم ہو گیا ہے۔ اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ اگر دونوں قوموں کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے ان کی ضرورت کے مطابق انصاف سے قواعد بنا دئے جائیں تو ان کے حق محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

پہلی بات کہ جب سارے ملک کے لئے ایک قانون بنا دیا جائے تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انصاف یہی چاہتا ہے کہ سب سے یکساں سلوک ہو۔ اس لئے درست نہیں کہ سب انسانوں کی حالت برابر نہیں ہوتی نہ سب پر قانون کا ایک سا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض پر زیادہ اور بعض پر کم۔ اور جب قانون کا اثر نمایاں طور پر ایک خاص گروہ پر پڑتا ہو اور دوسری قوم پر اس کا اثر بالکل نہ پڑتا ہو یا بہت کم پڑتا ہو تو ایسا قانون ہرگز منصفانہ نہیں کہلا سکتا۔ مثال کے طور پر دیکھ لو کہ اگر ہندوستان میں یہ قانون پاس کر دیا جائے جیسا کہ بعض میونسپل کمیٹیاں اب قریب قریب ایسا کر بھی رہی ہیں کہ گائے ذبح نہ کی جائے۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ ہندوؤں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی' اس لئے انصاف کے مطابق ہے۔ اس قانون کے متعلق یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ قانون برابر ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس قانون کا مضر اثر کس پر پڑتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہندو تو خود ہی گائے نہیں ذبح کرتا۔ پس گو اس قانون میں ہندو مسلمان کو برابر رکھا جائے' مگر اس کا اثر صرف مسلمانوں پر پڑے گا۔ یا مثلاً اگر پنجاب کی آئندہ حکومت یہ قانون پاس کر دے کہ زمین سب گورنمنٹ کی ہو گی یا سندھ میں ایسا قانون بن جائے۔ تو گو اس کا کچھ اثر ہندوؤں پر بھی پڑے گا۔ لیکن زیادہ تر اس کا اثر مسلمانوں پر ہی پڑے گا اور انہیں کو نقصان پہنچے گا۔ یا مثلاً تجارت پر اگر زیادہ ٹیکس لگا دیا جائے۔ جس سے تجارت کا تباہ کرنا مقصود ہو تو کوئی نہ کہے گا کہ اس کا اثر مسلمانوں پر بھی برابر پڑتا ہے۔ ہر عقلمند سمجھ لے گا کہ اس قانون کا اصل مقصد ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ جب یکساں قواعد بن جائیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ ایک ایسے گھر میں جس میں بچے بھی ہوں اور بڑے بھی' اگر ایسی غذا پکا دی

جائے، جسے صرف بڑے کھا سکیں اور یہ کہا جائے کہ انصاف کر دیا گیا ہے۔ تو کوئی شخص تسلیم نہیں کرے گا کہ انصاف کر دیا گیا ہے۔ یا ایک میلے میں جہاں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہو۔ اگر کوئی شخص ایک چھوٹے بچے کو چلانے لگے کہ سب میں برابری چاہئے۔ تو کوئی تسلیم نہیں کرے گا کہ انصاف ہو گیا ہے۔ انصاف اور برابری تبھی ہوگی کہ جب اس بچے کی طاقت کے مطابق انتظام کیا جائے۔ اسے گودی میں اٹھا کر چلو، پھر انصاف قائم ہوگا۔ اور بچوں کے لئے ان کی عمر کے مطابق غذا تیار کرو پھر انصاف قائم ہو گا۔

عقلاً اس امر کو ثابت کر چکنے کے بعد کہ ایک قسم کا قانون ضروری نہیں کہ انصاف کے مطابق بھی ہو۔ بلکہ بہت دفعہ اس سے بے انصافی پیدا ہوتی ہے۔ میں اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ صرف خیال ہی نہیں ہے، بلکہ عملاً دنیا میں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ بظاہر ایک سا قانون بنا کر بعض اقوام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ایسٹ افریقہ کے داخلہ کے متعلق جب قواعد بنائے گئے ہیں۔ تو اسی وقت سارے ہندوستان میں شور پڑ گیا تھا کہ گو بظاہر یہ قانون سب کے لئے یکساں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو نقصان پہنچے۔ اسی طرح زیکو سلویکا کی نئی حکومت میں یہ قانون پاس کیا گیا تھا کہ جس کے پاس ۱۵۰ ایکڑ سے زیادہ زمین ہو ضبط کی جائے۔ اور دوسرے لوگوں کو دے دی جائے اب بظاہر یہ قانون نہایت انصاف پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ تھی کہ جرمن لوگ جو جنگ سے پہلے یہاں کے بڑے بڑے زمیندار تھے، انہیں نقصان پہنچایا جائے۔ زک لوگ زیادہ تر کارخانہ دار تھے۔ پس اس قانون سے زکس کو بہت کم نقصان کا احتمال تھا۔ حالانکہ بظاہر قانون منصفانہ تھا۔ چنانچہ اس پر جرمنوں نے بہت کچھ شور مچایا۔ مگر ان کی حکومت نے سنی نہیں۔ یہی جواب دیتی رہی کہ ہم نے انصاف کا قانون بنایا ہے۔ جیسا تم کو اس قانون سے نقصان ہے ویسا ہی اور قوموں کو۔ [۴۳] اسی طرح رومانیا نے ٹرنسلومینیا کے صوبہ میں کیا۔ جس میں کہ مگیار قوم کی زمینیں زیادہ تھیں۔ [۴۴]

پس تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے کہ ایک قانون سب کے لئے یکساں بنایا جاتا ہے لیکن اس میں غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی خاص قوم کو اس سے نقصان پہنچ جائے یا یہ کہ وہ اپنا حق نہ لے سکے۔ میری اس رائے سے ایل۔ پی۔ میسرز کی رائے بھی متفق ہے وہ لکھتی ہیں:-

"اقلیتوں پر ظلم ایک خام اور ناقص طریق سے بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ قتل اور ملک

سے نکال دینے کے طریق ہیں۔ لیکن یہی بات زیادہ مہذب طریقوں سے بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ جن میں سے (اکثریتوں میں) زیادہ مقبول مادری زبان کے آزادانہ استعمال سے روک دینے کا طریق ہے۔ تعلیم کے قوانین تجارت کے قوانین اور انصاف کے قائم کرنے کے قوانین اس مقصد کو پورا کرنے کے بڑے کھلے ذرائع ہیں۔"۳۵

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اکثریتیں اقلیتوں پر مہذّبانہ طور پر ظلم کرتی ہیں۔ اور ایسے قوانین بنا کر نقصان پہنچاتی ہیں جو بظاہر یکساں ہوتے ہیں لیکن ان کا نتیجہ صرف ایک قوم کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

پس ہندوستان کا قانون اساسی بناتے وقت صرف یہ دیکھنا کافی نہ ہوگا کہ قوانین ہندو مسلمانوں کے لئے برابر ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان قوانین کا ہندوؤں پر کیا اثر پڑتا ہے اور مسلمانوں پر کیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بظاہر برابر نظر آنے والے قوانین باطن میں مسلمانوں کے لئے مُضر ہیں، خواہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو ان سے کوئی نقصان پہنچتا ہے، خواہ اس لحاظ سے کہ ان کی وجہ سے مسلمان اپنے جائز حقوق کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو ان کا بدلنا ضروری ہوگا۔

صرف صحیح قانون بنادینا قیامِ انصاف کیلئے کافی نہیں

دوسرا پہلو اس سوال کا یہ ہے کہ اگر ایسا قانون بنا دیا جائے کہ جس میں ہر قوم کی ضرورت کا لحاظ رکھا جائے تو کیا یہ کافی نہ ہوگا اور کیا اس سے انصاف قائم نہ ہو جائے گا؟ میرا جواب اس سوال کے متعلق بھی یہی ہے کہ ہرگز نہیں۔ کوئی قوم صرف باانصاف قوانین کے پاس ہو جانے سے محفوظ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے لئے دو اور باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱) اس انتظام کی کہ اس قانون پر عمل کرتے وقت بھی اس امر کی نگرانی ضروری ہوگی کہ اس قانون پر اس کے منشاء کے مطابق عمل کیا جاتا ہے یا نہیں؟ بہتر سے بہتر قانون پر اگر عمل نہ کیا جائے تو اس سے کیا فائدہ۔ ایک ڈاکٹر ہسپتال میں کونین کے ڈبے رکھ چھوڑے لیکن مریضوں کو نہ دے تو انہیں کیا نفع ہوگا۔ قانون اپنی ذات میں کچھ بھی چیز نہیں۔ عمدہ قانون کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح استعمال بھی کیا جائے۔ قانون کا صحیح نتیجہ اس کے صحیح استعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اگر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

قانون کے ذریعہ سے ہو بھی جائے۔ لیکن اس کے صحیح استعمال کا علاج نہ ہو تو بھی اقلیتوں کو امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز میں اقلیتوں کی حفاظت کے سوال میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ خالی قانون نفع نہیں دے سکتا۔ اور اس امر کی نگرانی کی ضرورت ہے کہ اس قانون پر اس کے منشاء کے عین مطابق عمل بھی ہو۔ مثال کے طور پر استھونین گورنمنٹ کی گفت و شنید کو میں پیش کرتا ہوں۔ لیگ آف نیشنز نے اس حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اقلیتوں کی حفاظت کا لیگ کو یقین دلائے۔ لیکن اس نے اول اول انکار کیا اور جواب دیا کہ اگر ہمارے ملک میں اقلیتوں کی حفاظت کا قانون توڑا گیا۔ تو اس وقت لیگ دخل دے سکتی ہے۔ لیکن لیگ کی طرف سے جو ایجنٹ (AGENT) اس تصفیہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اُس نے اِس جواب پر نوٹ لکھا کہ:۔

"اِس جواب سے لیگ کو اُس وقت تک دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہ ہو گا جب تک قانون نہ بدلا جائے۔ لیکن قانون بدلے بغیر اگر استھونین گورنمنٹ اقلیتوں کو دکھ دیتی رہے تو اس کا علاج نہ ہو سکے گا۔"

لیگ نے اس نوٹ کی صحت کو تسلیم کیا اور استھونین گورنمنٹ کے جواب کو یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ تمہارے اس جواب سے اقلیتوں کی حفاظت نہیں ہوتی۔ اس واقع سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے سب عقلمند تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ صرف قوانین کی صحت کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں کہ قوانین کے منشاء کے مطابق عمل بھی ہو۔ راج پال کا کیس موجود ہے اس وقت وہ سب اخبار جو اس وقت نہرو کمیٹی کی تائید میں لکھ رہے ہیں' یہ لکھ رہے تھے کہ قانون کے منشاء کے مطابق عمل نہیں ہوا۔ پس یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے اور اس کا بند کرنا ضروری ہے۔

(۲) دوسرے اس انتظام کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ آئندہ کے لئے اس قانون کو محفوظ کر دیا جائے۔ کیونکہ اکثریت کے لئے یہ بالکل آسان ہے۔ کہ وہ پہلے تو اقلیت کو تسلی دلا دے اور ان کی مرضی کے مطابق قانون بنا دے۔ لیکن بعد میں جب حکومت مل جائے تو پھر اس قانون کو بدل دے۔ کیونکہ جس طرح قانون بنانا اس کے اختیار میں ہے۔ اس کا بدلنا بھی اس کے اختیار میں ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ یورپ کی نئی حکومتوں میں جو جنگ کے بعد قائم ہوئی ہیں' اقلیتوں کی

حفاظت کیلئے دونوں امور کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس امر کا بھی کہ قانون کا صحیح استعمال ہو اور اس امر کا بھی کہ قانون کو بدلا نہ جاسکے۔ امرِاول کا انتظام ایک تو یہ کیا گیا ہے کہ لیگ آف نیشنز کو حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسے امور کی اپیل سن سکے جو قلیلُ التعداد جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگر قلیل التعداد جماعتوں کی طرف سے کوئی شکایت پہنچے تو لیگ کمیشن مقرر کر کے دیکھ لیتی ہے کہ آیا وہ شکایت صحیح ہے یا غلط۔ اور اس طرح قلیلُ التعداد جماعتوں کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا انتظام یہ کیا گیا ہے کہ قلیلُ التعداد جماعتوں کو گورنمنٹ میں ایسا دخل دیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر وہ اپنے حقوق کی خود نگرانی کر سکتی ہیں۔ مثلاً زیکو سلویکا میں روتھینین قوم جو روسی قوم کی ایک شاخ ہے۔ چونکہ ایک علیحدہ تہذیب اور علیحدہ زبان اور علیحدہ مذہب رکھتی ہے۔ اس قوم کو روتھینیا کے علاقہ میں کامل خود اختیاری حکومت دے دی گئی ہے۔ گو خارجی معاملات میں اور عام قوانین میں وہ زیکو سلویکا کے ماتحت ہے۔ یہ انتظام تو اس وجہ سے ہے کہ ایک صوبہ میں روتھینین قوم کی کثرت ہے۔ لیکن جن ملکوں میں قلیلُ التعداد آبادیاں پھیلی ہوئی ہیں اور کسی صوبہ میں بھی ان کی کثرت نہیں ہے۔ وہاں ان کے حقوق کی مزید حفاظت اس طرح کی گئی ہے کہ ان کی قوم کی زبان اور ان کے مذہب اور تمدن کی حفاظت کے لئے یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ گورنمنٹ خود اسی قوم کی کمیٹیوں کو روپیہ دے دے اور وہ اپنی نگرانی میں اپنے سکولوں اور اپنی مذہبی سوسائٹیوں کا انتظام کریں۔ دوسرا انتظام یہ کیا گیا ہے کہ قومی تعداد کے لحاظ سے ملازمتوں کو اقلیتوں کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اقلیتوں کا ایک معقول عنصر گورنمنٹ میں موجود رہتا ہے۔ جو یہ دیکھتا رہتا ہے کہ ان کے بھائیوں کے حقوق نہ مارے جائیں۔ اس امر کا انتظام کہ قانون بدلا نہ جاسکے۔ اس طرح کیا گیا ہے کہ اقلیتوں کے متعلق جو قانون ہے۔ اس کے لئے یہ شرط کر دی گئی ہے کہ لیگ آف نیشنز کی اجازت کے بغیر کوئی گورنمنٹ اس قانون کو نہیں بدل سکتی پس خواہ کسی گورنمنٹ کی اکثریت اس قانون کو بدلنا بھی چاہئے تو بھی وہ اپنے قانونِ اَساسی یا اپنی بین الاقوامی ذمہ داری کے سبب سے اسے بدلنے پر قادر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ اس قانون کو زور سے توڑنا چاہے تو دوسری حکومتیں اس کی ذمہ وار ہیں کہ وہ ایسا نہ کرسکے۔ [۳۶]

نہرو رپورٹ میں اقلیتوں کی کوئی حفاظت نہیں کی گئی

اب اس کے مقابلہ میں دیکھا جائے کہ نہرو کمیٹی نے

اقلیتوں کی حفاظت کی کیا تدبیر کی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق نہ تو مسلمانوں کو ان صوبوں میں جن میں ان کی اکثریت ہے خود اختیاری حکومت دی گئی ہے جس طرح کہ رو تھینیا میں لعل رشینز کو دی گئی ہے' نہ ان صوبوں میں جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ تعلیم اور مذہب اور تمدن کے اصول کا طے کرنا مسلمانوں کی کمیٹیوں کے قبضہ میں رکھا جائے۔ نہ اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ ان صوبوں کو جہاں آج کل مسلمانوں کی اکثریت ہے آئندہ ایسی شکل میں نہ بدل دیا جائے گا کہ مسلمان تھوڑے رہ جائیں۔ اور نہ پھر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ جو مطالبات مسلمانوں کے آج ناقص طور پر منظور ہوئے ہیں' کم سے کم وہی آئندہ محفوظ رہیں گے۔ بلکہ قانون اساسی کو بدلنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ دو تہائی ممبروں کی رائے سے قانون اساسی بدلا جا سکتا ہے۔ ۳۷ اور قانونِ اساسی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو پچیس فیصدی ممبریاں ملیں گی۔ ۳۸

پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ گو مسلمانوں میں سے ایک بھی رائے ہندو حاصل نہ کر سکیں بلکہ پانچ چھ فیصدی تک ہندو ممبر بھی اگر ہندوؤں کے مخالف ہو جائیں' تب بھی وہ جس وقت چاہیں' ان حقوق کو جنہیں وہ اس وقت دے رہے ہیں واپس لے سکتے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوؤں کے لئے دو تہائی ووٹ جمع کر لینا مشکل ہوگا۔ قانون اساسی کے بدلنے کے لئے پونے ستاسٹھ فیصدی ووٹوں کی ضرورت ہے۔ اور ہندو قوم کو نہرو رپورٹ کے مطابق پچھتّر فیصدی ووٹ حاصل ہونگے۔ پھر ان کے لئے یہ بات کیا مشکل ہے کہ جب چاہیں قانون اساسی کو بدل دیں اور مسلمان منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ امر پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ چھوٹی اور بڑی اقلیت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اقلیت کے حقوق کے تلف ہونے کا احتمال ہو تو اقلیت بڑی ہو یا چھوٹی اسے حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور میں وہ امور بھی بیان کر چکا ہوں کہ جن کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اکثریت اقلیت کو دکھ دیا کرتی ہے۔ اور پھر میں نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ خالی قوانین بھی کافی نہیں ہوتے' بلکہ دو باتوں کا انتظام کر لینا ضروری ہوتا ہے:۔ اول یہ کہ قوانین پر صحیح طور پر عمل ہو اور اس کے ذرائع میں سے ایک بڑا کارآمد ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ اقلیت کی کثرت ہو اس میں اسے خود مختار حکومت دی جائے اور جس جگہ کثرت نہ

ہو وہاں کم سے کم ایک تو اپیل کا حق کھلا رکھا جائے دوسرے اس امر کا خیال رکھا جائے کہ اقلیت کے خاص معاملات اس کی اپنی کمیٹیوں کے ذریعہ سے طے پائیں۔ اور ملازمتوں میں کم سے کم اس کے حق کے مطابق اسے نیابت حاصل ہو۔ اور دوسرا انتظام یہ کیا جائے کہ قانون اساسی کا وہ حصہ جو اقلیت کے حقوق سے تعلق رکھتا ہو' وہ اس وقت تک نہ بدل سکے جب تک کہ خاص شرائط کے ماتحت خود اقلیت بھی اس کے بدلنے پر راضی نہ ہو۔

مسلمانوں کے مطالبات اور نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر تفصیلی نظر

جو کچھ میں اس وقت لکھ چکا ہوں۔ میرے نزدیک ایک سیاست سے واقف شخص کے لئے کافی ہے اور وہ اس کی روشنی میں سمجھ سکتا ہے کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ ملک کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی اور اس کے تسلیم کر لینے میں مسلمانوں کو سخت نقصان ہے۔ لیکن چونکہ عام طور پر لوگ سیاسی امور سے واقف نہیں۔ نہ انہیں اس قدر دلچسپی ہوتی ہے کہ وقت خرچ کر کے اصول کو فروع پر چسپاں کریں۔ اس لئے میں مسلمانوں کے مطالبات اور نہرو رپورٹ پر ایک تفصیلی نظر بھی ڈالنی ضروری سمجھتا ہوں۔

مسلمانوں کے مطالبات

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل اصول پر ہو' یعنی صوبہ جات سے مرکزی حکومت کو اختیار ملیں نہ کہ مرکزی حکومت سے صوبہ جات کو۔ اور سوائے ان امور کے جن میں مشترکہ حکومت کا کام چلانے کیلئے صوبہ جات اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو دیں۔ باقی سب اختیارات صوبہ جات کے پاس رہیں۔

۲۔ صوبہ سرحدی کو ویسی ہی بااختیار حکومت دی جائے۔ جیسی کہ اور صوبوں کو اور سندھ اور بلوچستان کو آزاد کر کے انہیں بھی ویسی ہی آزاد حکومت دی جائے۔

۳۔ ہر قوم کو اس کی تعداد کے مطابق حق نیابت مقامی مجالس میں دیا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کسی قوم کی تعداد دوسری قوم کے مقابل پر بہت تھوڑی ہو۔ اس صورت میں اس کی اصل تعداد سے کسی قدر زائد حق اسے دے دیا جائے۔

۴۔ مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو ان کے موجودہ حق سے کسی صورت میں کم نہ دیا

جائے بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک ثُلث نیابت کا حق انہیں دیا جائے۔

۵۔ انتخاب کا طریق قومی ہو، یعنی ہر ایک قوم اپنے نمائندے خود چنے۔ اور بعض کا مطالبہ یہ ہے کہ اگر اوپر کے چار مطالبات کو پورا کر دیا جائے تو ان پر عملدر آمد ہونے کے بعد مخلوط انتخاب محفوظ نشستوں کے ساتھ جاری کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ مذہب، مذہب کی تبلیغ یا مذہب کی تبدیلی میں حکومت کسی قسم کا دخل نہ دے۔ اور مذہب یا تمدن و تہذیب کے متعلق کوئی ایسا قانون پاس نہ کر سکے جس کا اثر کسی خاص مذہب کے لوگوں پر ہی کُلّی طور پر یا زیادہ طور پر پڑتا ہو۔

ان مطالبات کے صحیح عمل در آمد کو دیکھنے کیلئے یہ بھی مطالبات مسلمانوں کی طرف سے تھے کہ:۔

الف۔ مختلف اقوام کو ان کی تعداد کے مطابق ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔

ب۔ قانونِ اَساسی کی تبدیلی کے لئے ایسے قوانین بنا دیئے جائیں کہ قلیلُ التعداد کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو فیصلہ ہوا سے بغیر قلیلُ التعداد جماعتوں کی مرضی کے تبدیل نہ کیا جا سکے۔ زیکوسلویکا کا قانونِ اَساسی مطالعہ کرنے کے بعد اور یہ دیکھ کر کہ وہاں کے حالات بہت کچھ ہندوستان سے ملتے ہیں اور پھر پچھلے چند ہفتوں کی ہندوؤں کی کش مکش کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک یہ قاعدہ بھی ہونا چاہئے کہ کسی صوبہ کی حدود کو تبدیل کرنے کا حق مرکزی حکومت کو نہ ہوگا، بلکہ اس کا فیصلہ خود اس صوبہ سے ہی تعلق رکھے گا۔

ان مطالبات کے گنوانے کے بعد میں ایک ایک مطالبہ کو الگ الگ لیکر اس امر پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آیا یہ مطالبات اول جائز ہیں یا نہیں، دوم ضروری ہیں یا نہیں؟ کیونکہ حقوق کے فیصلہ کے وقت یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اول وہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ جو مطالبہ جائز ہی نہیں۔ اس کا پیش کرنا ہی غلط ہے۔ کسی کا حق نہیں کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے دوسرے کو اس کا حق چھوڑنے پر مجبور کرے۔ دوسرے یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ مطالبہ ضروری ہے یا نہیں؟ کیونکہ جب تک یہ فیصلہ نہ کرلیا جائے کہ مدعی کو اس کا مطالبہ دینے میں مدعا علیہ کا کیا نقصان ہے اور نہ دینے میں مدعی کا کیا نقصان ہے۔ اس وقت تک صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسے شخص سے قربانی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ جس کے لئے وہ قربانی مہلک ہوتی ہے۔ اور اس شخص کو فائدہ پہنچا دیا جاتا ہے جو آگے ہی بہت کچھ لے چکا

ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان اصول کے ماتحت پہلے ہمیں اس سوال پر اصولی غور کرنا چاہئے کہ کیا ہندوستان کی موجودہ حالت اس قسم کی ہے کہ مسلمانوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت ہو۔ اور انہیں ایک علیحدہ اقلیت کی صورت میں رہنے دینا ناگزیز ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے تو ہر ایک شخص اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ان کی اس وقت خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ ان وجوہ میں سے جو کسی اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے پر مائل کرتے ہوں۔ بڑے بڑے وجوہ چھ ہیں۔ پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ وجوہ اس وقت پائے جاتے ہیں یا نہیں۔

مسلمانوں کو خاص حفاظت کی ضرورت اور اس کی وجوہات

پہلی وجہ

اول وجہ یہ ہوتی ہے کہ اقلیت اس ملک میں پہلے حاکم رہ چکی ہو۔ اور یا تو عملاً ظلم کر چکی ہو۔ یا اکثریت کو یہ دھوکا لگ گیا ہو یا دھوکا دیا گیا ہو کہ اقلیت اپنے زمانۂ اقتدار میں اس پر ظلم کرتی رہی ہے۔ ایسی صورت میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثریت اپنے برسرِاقتدار ہونے پر حقیقی یا خیالی مظالم کا بدلہ اقلیت سے لیتی ہے۔ چنانچہ قدیم تاریخ کی مثالوں میں سے بُدھوں کی مثال موجود ہے کہ انہیں ہندوؤں نے بالکل تباہ کر دیا۔ سپین کے مسلمانوں کی مثال موجود ہے کہ انہیں مسیحیوں نے تباہ کر دیا۔ زمانہ حاضر میں دوسرے ممالک کی مثالوں میں سے یونان' سرویا' رومانیہ اور بلغاریہ کی مثال موجود ہے کہ ان علاقوں میں تُرکوں پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً سخت سے سخت ظلم ہوتے رہے ہیں۔ محض اس وہم کی بناء پر کہ تُرک اپنے زمانۂ اقتدار میں ان کے آباء و اجداد پر ظلم کرتے رہے ہیں پولینڈ میں جرمنوں سے بدسلوکی ہو رہی ہے۔ کیونکہ ایک حصہ پولینڈ کا جرمنی کے ماتحت تھا۔ زیکوسلویکا میں جرمن زمینداروں سے اسی وجہ سے سختی ہو رہی ہے۔ رومانیہ میں **مگیار** قوم سے' یوگوسلاویا میں آسٹرینز اور **مگیار** سے اٹلی میں آسٹرینز سے ظلم ہو رہا ہے۔

یہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہمیں بتا رہی ہیں کہ حقیقی یا وہمی ظلموں کی بناء پر ایک قوم دوسری قوم کو تباہ کیا کرتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ذہنی حالت ہندوؤں کی بھی ہے۔ اول تو انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے مسلمان

بادشاہوں کو تاریخ میں نہایت خطرناک صورت میں پیش کیا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی یاد کو بھول کر انگریزی حکومت سے وابستہ ہو جائیں۔ دوسرے اب تمام ہندو اپنی قومیت کو مضبوط کرنے کیلئے پورے زور سے شاذ و نادر صحیح لیکن اکثر جھوٹے اور مفتریانہ الزامات مسلمان بادشاہوں پر لگا رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ یقین دلا رہے ہیں کہ ان کے مذہب' ان کی تہذیب اور ان کے تمدن اور ان کی علمی ترقی کو مسلمانوں نے آکر بالکل تباہ کر دیا ہے۔ اگر وہ نہ آتے تو آج ہندو نہ معلوم کیا سے کیا ہوتے۔ بہت سے ہندو مردوں اور ہندو عورتوں کے سینے آج مسلمانوں کے وہمی مظالم کے خلاف غیظ و غضب کی آگ سے جل رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کا واحد ذمہ دار مسلمانوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ ان کی تباہی پر اپنی قومی ترقی کی بنیاد رکھنا بالکل جائز خیال کرتے ہیں۔ اس تعصّب کی حالت جہاں تک پہنچ گئی ہے' اس کا کسی قدر نقشہ اس مثال سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ میرے ایک رشتہ دار نے ایک استانی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے رکھی ہے۔ وہ مذہباً مسیحی ہے لیکن نسلاً ہندو ہے۔ اور میسور کی رہنے والی ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ تاریخ میں اگر کسی جگہ کسی مسلمان بادشاہ کا ذکر آ جائے تو وہ ان صفحوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ اور جب بچے زور دیتے ہیں تو یہ جواب دیتی ہے کہ میں خوب جانتی ہوں کہ پہلے کونسا حصہ کتاب کا پڑھانا چاہئے اور بعد میں کونسا۔ یہ حالت ایک عورت کی ہے اور ایسی عورت کی جو خوب تعلیم یافتہ ہے۔ اور کئی دفعہ ولایت ہو آئی ہے۔ اسی پر قیاس ہندو قوم کے بہت سے افراد کا کیا جا سکتا ہے۔ یہ جوش و خروش ہندو قوم کا مردہ بادشاہوں کے خلاف کیوں ہے؟ کیا اپنی قوم کو بیدار کرنے کے لئے نہیں؟ اور اس ذریعہ سے جو بیداری پیدا ہو گی' کیا مسلمان اس کے نتائج سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں یقیناً نہیں۔ اور اس وجہ سے وہ حق بجانب ہیں کہ ایسے قوانین کا مطالبہ کریں جن سے ان کی قومی زندگی تباہی سے بچ جائے۔ اور اس کی ذمہ داری ایک حد تک انگریزوں پر اور ان سے زیادہ خود ہندوؤں پر ہے۔

دوسری وجہ دوسری بات جس کی وجہ سے اکثریت اقلیت کو تباہ کرنا چاہتی ہے یہ ہے کہ اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی وجہ سے اکثریت سے اعلیٰ ہو ایسی صورت میں اکثریت چونکہ اقلیت سے خائف ہوتی ہے۔ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ ہندو مسلمان سوال میں یہ صورت بھی پیدا ہے۔

مجھے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ حالت کیوں پیدا ہے لیکن اس امر میں

کوئی شک نہیں کہ تہذیب اور تمدن کے اصول کے لحاظ سے مسلمانوں کو ہندوؤں پر برتری حاصل ہے۔ ان میں چھوت چھات نہیں ہے۔ ان میں ایک حد تک قومی مساوات ہے۔ ان میں شادی بیاہ کی رسومات ہندوؤں کی نسبت بہت کم ہیں۔ بیوہ کی شادی کا دستور ابھی بہت حد تک باقی ہے۔ غرض ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی بنیاد ہندوؤں سے بالکل الگ اصول پر ہے۔ اور ہندو سمجھتے ہیں کہ نہ تو اس تہذیب اور تمدن کو ہم کچل سکتے ہیں اور نہ اس کی موجودگی میں ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ترقی کر سکتے ہیں۔ پس اس حالت میں خوف ہے کہ وہ اسلامی تہذیب اور تمدن کی آزاد نشوونما کے راستہ میں روک ڈالیں گے۔

تیسری وجہ تیسرا سبب جو اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے کی طرف راغب کرتا ہے یہ ہے کہ اقلیت دائمی اقلیت ہو۔ یعنی اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو اسے اپنی جگہ تبدیل کرنے سے مانع ہو۔ اس صورت میں اکثریت یہ خیال کرتی ہے کہ چونکہ اس اقلیت کو ہم جذب نہیں کر سکے' آؤ اسے ہم مٹا دیں۔ یہ وجہ بھی اس وقت موجود ہے۔ اسلام ایک ایسا ممتاز مذہب ہے جس نے سیاست تمدن اخلاق اور معاملات کے لئے ایک ممتاز اور مستقل دستور العمل پیش کیا ہے۔ پس مسلمان دوسری اقوام کی طرح ان مسائل کے متعلق جن پر اسلام نے روشنی ڈالی ہے' سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے کا رنگ قبول کر سکتا ہے۔ عام طور پر اکثریتوں کو جب یہ یقین ہوتا ہے کہ اقلیت کو اس کی جگہ پر باندھ رکھنے والی کوئی چیز نہیں۔ تو وہ امید کرتی ہے۔ کہ کچھ عرصہ میں یا تو اقلیت ہم میں جذب ہو جائے گی۔ یا پھر کھوئی جائے گی۔ یعنی بعض باتیں اپنی چھوڑ دے گی۔ اور بعض ہماری مان لے گی۔ جیسا کہ مثلاً پرانے زمانہ میں ہندوستان میں ہوا۔ کہ باہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے دیوتاؤں کو قبول کر لیا اور ہندوؤں نے ان کے بعض معبودوں کو قبول کر لیا۔ اسی طرح باہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے سب سے بڑے تمدنی دستور یعنی قومیت کے اصول کو تسلیم کر لیا اور چاروں ورنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو گئیں اسلام کی موجودگی میں مسلمان ایسا نہیں کر سکتے۔ پس ہندو یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اسلام ہے اس وقت تک تمدن اور تہذیب میں مسلمانوں کا ہمارا دباؤ تسلیم کرنا ناممکن ہے۔ پس لازماً وہ یہ کوشش کریں گے اور اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یا ہندوستان سے نکال دیں یا اپنے ساتھ شامل کر لیں۔

چوتھی وجہ چوتھی چیز جو اکثریت کو اقلیت کا دشمن بنا دیتی ہے یہ ہے کہ اقلیت میں کوئی بڑھنے والی طاقت موجود ہو۔ اور اکثریت کو یہ خطرہ ہو کہ کسی وقت وہ اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے وہ اقلیت کو ظالمانہ قوانین سے مٹانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے' اسلام ایک زبردست تبلیغی مذہب ہے۔ وہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی اپنی تعداد بڑھاتا رہا ہے۔ پچھلی مردم شماریاں اس امر پر شاہد ہیں کہ اسلام نہ صرف نسلاً بلکہ تبلیغی طور پر بھی بڑھ رہا ہے۔ پس یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہندو قوم اس حالت کو جاری نہیں رہنے دے سکتی۔ اسے اگر اختیارات مل جائیں تو وہ پورا زور لگائے گی کہ جس مقصد کو وہ مذہبی تبلیغ سے حاصل نہ کر سکے وہ اسے جابرانہ قانون سے حاصل کرے۔ اور طاقت حاصل ہونے پر اس غرض کیلئے سینکڑوں تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ جو بظاہر منصفانہ بھی ہوں اور ان سے یہ مقصد بھی پورا ہو جائے۔ پس مسلمانوں کے لئے خود حفاظتی ضروری ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہیں پڑتا کہ پارٹی سسٹم (PARTY SYSTEM) تو اکثریت اور اقلیت کے مقابلہ پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اور باوجود اس کے اکثریت اقلیت کو تباہ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اکثریت اور اقلیت تغیرپذیر ہوتی ہیں۔ آج ایک اکثریت جو ہے ' کل وہ اقلیت ہو جاتی ہے اور پھر اکثریت بن جاتی ہے۔ اس صورت میں چونکہ ہیر پھیر رہتا ہے' دشمنی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس اقلیت اور اکثریت کا سوال ہے جو سیاسی مسائل پر مبنی نہیں۔ بلکہ مذہب پر اس کی بنا ہے۔ ایسی پارٹیوں میں روزانہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ ایک مذہب اگر زبردست ہے تو اکثریت کو اقلیت بنا دینے کے بعد وہی ملک پر ہمیشہ کے لئے قابض ہو جائے۔

پانچویں وجہ پانچواں سبب جس کے باعث اکثریت اقلیتوں پر ظلم کیا کرتی ہے' اقلیتوں کا غیر ملکی لوگوں سے تعلق ہے۔ اکثریت چاہتی ہے کہ ملک کے سب لوگ اسی کے ساتھ وابستہ رہیں اور ملک کے باہر کی کسی قوم پر دوستانہ نگاہ نہ ڈالیں۔ لیکن اقلیت اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ملک سے باہر کی بعض اقوام سے بھی تعلق رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس حالت میں اکثریت ہمیشہ اس سے مشتبہ رہتی ہے اور ڈرتی ہے کہ کسی وقت غیر ملکیوں سے مل کر ہمیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ اور اس شبہ کی وجہ سے اقلیت کو نقصان پہنچانے پر تُلی رہتی

ہے۔ اس قسم کے واقعات دنیا میں کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یونانی حکومت میں بلغاریوں کے ساتھ اسی بناء پر ظلم ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح لیتھونیا میں پولز اور پولینڈ میں لیتھونینز کے ساتھ۔ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ مسلمان اپنی مذہبی روایات کی بنا پر تمام دنیا کے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور شدت سے ان کی مصائب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہی حال باہر کے مسلمانوں کا ہے گو ایک دوسرے کی مصیبت میں مدد نہ دیں' لیکن ان سے متاثر ضرور ہو جاتے ہیں اور ان کی ہمدردی کرتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہندوستان کی اکثریت ضرور ان سے مشتبہ رہے گی۔ اور ان کی ترقی کے راستہ میں روک بنے گی۔ یہ شبہ وہمی نہیں ہے' بلکہ اب بھی ہندو عام طور پر شاکی نظر آتے ہیں کہ مسلمان اپنے آپ کو پورے طور پر ہندوستانی نہیں سمجھتے۔ بلکہ غیر ملکیوں سے بہت راہ و رسم رکھتے ہیں۔ گو وہ اس وقت منہ سے نہیں کہتے۔ لیکن ان کے دل میں یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ کل کو اگر افغانستان۔ ایران یا عرب سے ہندوستان کی جنگ چھڑی تو مسلمان کیا کریں گے۔ کیا یہ سرحد پار کے مسلمان بھائیوں کی تائید نہیں کریں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو یقیناً ہندوستان کی حکومت میں ہمیشہ ایک کمزور عنصر موجود رہے گا۔ اب یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ایسا موقع پیش آئے تو مسلمان کیا کریں گے۔ لیکن یہ شبہ جس کا اظہار کئی دفعہ ہندو لیڈر کر چکے ہیں ان کے دلوں میں ضرور کھٹکتا رہے گا اور اس کی بنا پر وہ مسلمانوں کی ترقی میں روڑا اٹکانے کو حب الوطنی کا ایک اعلیٰ فعل خیال کریں گے۔ میں اس سوال کے بارہ میں اس حد تک تو ہندوؤں سے متفق ہوں کہ حُبّ الوطنی کے جذبات کو انصاف کی حدود کے اندر بڑھانا ملکی حکومت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مسلمان اپنے اس وسیع جذبہ محبت کو جو وہ کل دنیا کے مسلمانوں سے رکھتا ہے۔ کس طرح دور کر سکتا ہے۔ وہ صدیوں سے اسے ورثہ میں مل رہا ہے اور در حقیقت وہ اب اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ اور پھر انصاف کی شرط جو حب الوطنی کے ساتھ میں نے لگائی ہے' اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کل کو ہندوستان عرب پر اوم کا جھنڈا کھڑا کرنے کی نیت کرے جیسا کہ آریہ لیڈر کہہ چکے ہیں تو یقیناً مسلمان اس وقت اپنی اعلیٰ ذمہ داریوں کو ملکی ذمہ داری پر قربان نہیں کر سکے گا۔

چھٹی وجہ

چھٹا سبب جو اکثریت کو اقلیت کے دبا دینے یا دبائے رکھنے پر مجبور کرتا ہے یہ ہے کہ اکثریت اقلیت کی گری ہوئی اقتصادی حالت سے فائدہ اٹھا رہی ہو اور خیال

کرتی ہو کہ اقلیت کی بیداری سے اسے نقصان پہنچے گا۔ پس وہ ہمیشہ کوشش کرتی ہے کہ اقلیت غافل ہی رہے۔ یہ وجہ بھی اس وقت پیدا ہے۔ جس طرح یورپ کی بہت سی دولت ایشیا کی غفلت کی وجہ سے ہے' اسی طرح ہندوؤں کی بہت سی دولت مسلمانوں سے براہ راست یا بالواسطہ آتی ہے۔ مسلمان تاجر نہیں' اس لئے سب تجارت کا نفع ہندو اٹھا رہے ہیں' مسلمان کارخانہ دار نہیں اس لئے صنعت و حرفت کا نفع بھی ہندو ہی اٹھا رہے ہیں۔ مسلمان اعلیٰ پیشہ ور نہیں اس لئے اعلیٰ پیشوں کا فائدہ بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ جیسے وکلاء' ڈاکٹر' انجینیئر وغیرہ۔ مسلمان بینکر نہیں' پس بنک کے نفع کو بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمان ٹھیکیدار نہیں پس ٹھیکیداری کے منافع بھی ہندوؤں کو ہی پہنچ رہے ہیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کم ہے' پس گورنمنٹ کے عہدے بھی ہندوؤں کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے ہیں' پس یونیورسٹیوں سے بھی ہندو ہی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ غرض ہر اک اقتصادی میدان میں مسلمان ہندوؤں سے پیچھے ہیں اور ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ہندوؤں کو خاص نفع ہو رہا ہے۔ اب اس حالت میں ہندو خوب سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ترقی کی تو ہماری دولت کم ہو جائے گی اور ایک حصہ دولت کا مسلمان لے جائیں گے۔ پس ان حالات میں کوئی عقلمند کس طرح سمجھ سکتا ہے کہ ہندو بہ رضاؤ رغبت مسلمانوں کو آگے بڑھنے دیں گے۔ کیا مسلمان اپنی مقبوضہ چیزیں ہندوؤں کو بانٹ دیتے ہیں کہ ان سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنی مقبوضہ چیزیں بخوشی مسلمانوں کو دے دیں۔ پس جب حالات یہ ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں تو ہر ایک مسلمان کو یہ اندیشہ ہے اور بالکل جائز اندیشہ ہے کہ ہندو برسرِاقتدار آنے پر پورا زور لگائیں گے کہ مسلمان اپنی غفلت سے بیدار نہ ہوں۔ اور ضروری ہے کہ پہلے سے ایسے قواعد بنا لئے جائیں کہ ہندو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں اور مسلمانوں کے لئے کام کے دروازے کھلے رہیں۔

بعض لوگ اس موقع پر نادانی سے یا مسلمانوں کو غافل رکھنے کیلئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ترقی کے راستے بہت ہیں ملک ابھی اور ترقی کرے گا۔ پس مسلمانوں کی ترقی کے راستے مسدود نہیں ہیں۔ مگر یہ بات احمقانہ ہے دنیا کی ترقی کے بھی بہت سے راستے ہیں۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یورپ کے لوگ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے راستے میں روکیں ڈالتے ہیں۔ اگر انگریز صنّاع کالے کوسوں پر بیٹھے یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہندوستان صنعت و حرفت میں ترقی کر

جائے کیونکہ ڈرتے ہیں کہ اس سے ہمارے مال کو نقصان پہنچے گا تو ہندوستان کے ہندو تاجر کس طرح برداشت کر سکیں گے کہ مسلمان بھی اس میدان میں آگے نکلیں۔ اسی طرح گورنمنٹ عہدے محدود ہیں اور ان پر ہندو قابض ہیں کیا اس میں کوئی شک ہے کہ جس قدر عنصر مسلمانوں کا گورنمنٹ کے عہدوں میں بڑھایا جائے اسی قدر عنصر ہندوؤں کا کم ہو گا۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مسلمانوں کو عہدے دینے کے لئے کوئی گورنمنٹ ملکی ہو یا غیر ملکی نئے عہدے نکالے۔ پس کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندو بخوشی خود مسلمانوں کیلئے جگہیں خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا نہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ابھی سے ایسے قوانین تجویز ہو جائیں جن سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق واقعات کی شہادت

اس وقت تک تو میں نے اصولاً اس امر کی بحث کی تھی کہ ہندوستان میں ایسے حالات موجود ہیں جن کی بنا پر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے لیکن اب میں مختصراً واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بھی ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھا جائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان بھی اس امر کا انکار کرے گا کہ ہندو مسلم تعلقات وہ نہیں ہیں جو ہونے چاہئیں یا یہ کہ تعصب دونوں اقوام میں کام نہیں کر رہا گورنمنٹ کی ملازمتوں کو لے لو۔ شروع سے لیکر آخر تک ہندو عنصر غالب ہے۔ مسلمان اپنے جائز حقوق سے محروم کئے جا رہے ہیں جو شخص کسی نہ کسی سبب سے ملازمت میں آ بھی جاتا ہے تو ہندو عملہ اس کے نکالنے کے درپے رہتا ہے۔ چند دن ہوئے بنگال کے ایک مسلمان ممبر کونسل نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بات بیان کی تھی کہ تعجب ہے کہ ایک مسلمان ملازم ایک ہندو افسر کے ماتحت آکر فوراً نالائق ہو جاتا ہے لیکن ایک انگریز افسر کے نیچے جا کر لائق بن جاتا ہے۔ ہم پنجاب میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ نہایت لائق مسلمان جن کی انگریز افسروں نے بے حد تعریف کی تھی، ہندو افسروں کے ماتحت آکر بالکل نالائق بن گئے بعض ہندو مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کیلئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ انگریزوں کی چال ہے وہ ہمیں آپس میں لڑاتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ دیکھنا یہ چاہئے کہ اس کارروائی میں ہندوؤں کا فائدہ ہے یا انگریزوں کا اگر ہندوؤں کا فائدہ ہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انگریز ایسا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا

عقل اسے باور کر سکتی ہے کہ انگریز اس غرض کے لئے ہندوؤں کو ہی اپنا آلہ کار بناتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کو یہ سبق نہیں پڑھاتے کہ ہندوؤں کو نالائق قرار دے کر نکالنے کی کوشش کرو۔ تیسرے کئی گورنمنٹ افسر بعد میں قومی لیڈر بن گئے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اسے انگریز کہا کرتے تھے کہ تو ہندوؤں کو لائق قرار دے اور مسلمانوں کو نالائق بنا بنا کر نکالتا جا۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ مرض اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب بعض ہندو افسر برملا مسلمان امیدوار کو کہہ دیتے ہیں کہ تم پر کوئی کیس کھڑا کروں یا یونہی اپنی مرضی سے فلاں عہدہ سے دست برداری دے دو گے۔ میرے پاس ایسی مثالیں موجود ہیں لیکن افسوس کہ اس کا علاج موجود نہیں۔

یہی حال تعلیمی محکموں میں ہے۔ تعلیم کے دروازے مسلمانوں کیلئے بند کئے جا رہے ہیں مسلمان زیادہ فیل کئے جاتے ہیں۔ بعض فنون کے پروفیسر صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں پاس نہیں ہونے دینا۔ اور اورل (ORAL) امتحان میں فیل کر دیتے ہیں۔ گورنمنٹ سے وظیفہ لیتا لیتا طالبعلم جس وقت آخری منزل پر پہنچتا ہے' اس کا کیریکٹر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان دکانداروں سے ہندو سودا نہیں لیتے۔ اور کھانے پینے میں جو چھوت چھات ہے وہ تو ظاہر ہے ہی۔ سٹیجوں پر سے بھائی بھائی کا اعلان کرنا اور بات ہے۔ ان کروڑوں محنت کش خاندانوں میں جا کر دیکھو کہ کس طرح مسلمانوں کے گھروں میں ماتم ہو رہا ہے ہندو بنیا زمیندار کا خون چُوس رہا ہے۔ اس سے ہندو زمیندار کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ مگر چونکہ اس کی کوشش کا آخری نتیجہ مسلمانوں کی تباہی ہے اس کے خلاف قانون پاس نہیں ہونے دیا جاتا۔ اور مسلمان کے ساتھ ہندو کو اس امید میں پیسا جاتا ہے کہ اس کی حالت کو ہم بعد میں درست کر لیں گے۔ مسلمان اخبارات کے اشتہارات کے کالم دیکھو ہندو اخبارات سے دوگنی اور تین گنی اشاعت ہے۔ مگر عدالتوں کے اشتہار اور دوسرے گورنمنٹ اشتہارات ان میں بہت کم نظر آئیں گے۔ لیکن ہندو اخبارات ذلیل سے ذلیل بھی ان اشتہارات سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ اور انہی اشتہارات کی بدولت چل رہے ہوں گے۔ اسلامی مسائل کونسل میں ایک نجاست کی طرح پھینکے جاتے ہیں لیکن ہندوؤں کی ہر اک ضرورت مقدّم کی جاتی ہے۔ آج ہی کا تار مظہر ہے کہ سندھ کی علیحدگی کا سوال بمبئی کونسل میں پیش ہی نہیں ہونے دیا گیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند انسان بھی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو خود حفاظتی کی ضرورت نہیں اور کیا ان

حالات کی موجودگی میں کوئی مسلمان جو اپنے ہوش و حواس میں ہو' اسلام کے فوائد کو بغیر معقول گارنٹی (GUARANTEE) کے مہمل چھوڑ سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو آئندہ نسلیں اس پر لعنت کریں گی اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایک مجرم کی حیثیت میں پیش کیا جائے گا۔

مسلمانوں کا پہلا مطالبہ ہندوستان کے لئے فیڈرل حکومت

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں مسلمانوں کا پہلا مطالبہ فیڈرل حکومت کا ہے یعنی اختیاراتِ حکومت صوبہ جات کو ملیں جنہیں کامل خود اختیاری حکومت حاصل ہو۔ مرکزی حکومت کو صرف وہی کام صوبہ جات کی طرف سے تفویض ہوں جن کا مرکزی حکومت کو دیا جانا ضروری ہو اور جن اختیارات کا قانون اساسی میں ذکر نہ ہو وہ صوبہ جات کے سمجھے جائیں۔ اور ضرورت پیش آنے پر صوبہ جات وہ اختیار خاص قانون کے ماتحت مرکزی حکومت کو دے سکتے ہیں۔ مرکزی حکومت کو کسی صورت میں صوبہ جات کی حکومت کے کاموں میں دخل دینے کا حق حاصل نہ ہو۔ یہ مطالبہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں سب مسلمانوں کا ہے۔ کم سے کم دونوں مسلم لیگوں کا یہ مطالبہ ضرور ہے۔ اس مطالبہ کو نہرو کمیٹی نے کُلّی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ اور بجائے فیڈرل حکومت کے مرکزی حکومت کے طریق کو منظور کیا ہے۔ یعنی ان کی تجویز کی رو سے ہندوستان کی حکومت کے اختیار مرکزی پارلیمنٹ کو دیئے گئے ہیں اور ان کی طرف سے بعض اختیارات صوبہ جات کو عطا کئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کے مطالبہ اور نہرو رپورٹ کی تجویز میں فرق

مسلمانوں کے مطالبہ اور اس تجویز میں فرق یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق حکومت قائم کی جاتی تو حکومت ہند کو صوبوں کی حکومتوں کے کام میں دخل دینے کا اختیار نہیں رہتا تھا۔ دوسرے یہ اختیار بھی نہیں رہتا تھا کہ وہ کسی صوبہ کے اختیار چھین سکے۔ تیسرے اگر کوئی نیا کام نکلے تو اس پر مرکزی حکومت کو حق حاصل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ہر نئے کام کا حق صوبہ جات کی حکومت کو حاصل ہوتا تھا۔ اگر وہ چاہتے تو کثرتِ رائے سے مقررہ قواعد کے مطابق اسے مرکزی حکومت کے سپرد کر سکتے تھے۔ نہرو کمیٹی کی تجویز کے مطابق مرکزی حکومت کو صوبہ جات کے کاموں میں دخل دینے کا پورا اختیار رہے۔ وہ جب چاہے کسی صوبہ کے اختیار کو چھین لے۔ اور اس کی حکومت کا کوئی اور انتظام کر

دے۔ یا جب چاہے سب صوبہ جات کے اختیارات کو محدود کرکے اپنے اختیار کو بڑھائے۔ اور جو نیا کام نکلے بطور حق کے وہ اسی کے حلقہ کار میں ہوگا۔ وہ اگر چاہے تو صوبہ جات کی طرف اس حق کو منتقل کردے اور اگر چاہے تو خود اپنے پاس رکھے۔

ہندو مسلم تعلقات پر دونوں تجاویز کا اثر

دونوں تجاویز میں فرق بتانے کے بعد میں اب یہ بتاتا ہوں کہ ہندو مسلم تعلقات پر ان دونوں تجاویز کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں چونکہ مسلمان صرف پچیس فیصدی ہیں۔ اس لئے ان کو خواہ کتنا بھی حق دے دیا جائے۔ وہ مرکزی حکومت میں ہندوؤں سے بہت کم رہیں گے۔ نہرو کمیٹی نے انہیں پچیس فیصدی حق دیا ہے۔ اس صورت میں تین ہندوؤں کے مقابلہ میں ہندوستان کی پارلیمنٹ میں صرف ایک مسلمان ہوگا۔ اور مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مانگتی ہے۔ اس صورت میں دو ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف ایک مسلمان ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ پچھتّر کے مقابلہ میں پچیس یا چھیاسٹھ کے مقابلہ میں تینتیس ممبر کچھ بھی نہیں کرسکتے پس مرکزی حکومت لازماً ہندوؤں کے اختیار میں ہوگی۔ اور وہ جو کچھ چاہیں گے کرسکیں گے۔ اب چونکہ اصل حاکم ہندوستان کی مرکزی انجمن قرار دی گئی ہے اور صوبہ جات صرف گماشتے بنائے گئے ہیں اس کا لازماً نتیجہ یہ ہوگا کہ باوجود چند صوبے مسلمانوں کی اکثریت کے قرار دینے کے حکومت اصل ہندوؤں کی ہی رہے گی اور وہ جس طرح چاہیں گے کریں گے۔ پس نہرو کمیٹی نے فیڈرل (FEDERAL) یعنی اتحادی حکومت کو جس میں سب صوبے برابر کے حقدار ہوتے ہیں ردّ کرکے مسلمانوں کو بالکل بے بس کر دیا ہے۔ اس تجویز پر اگر عمل ہو جائے اور باقی سب مطالبات مسلمانوں کے منظور کر لئے جائیں تب بھی مسلمانوں کا کوئی حق حکومت میں باقی نہیں رہتا۔ اس مضمون کو سمجھانے کے لئے میں اس فرض پر کہ صوبہ جات کے متعلق مسلمانوں کے سب مطالبات کو منظور کر لیا گیا ہے آئندہ کی حالت بتاتا ہوں کہ کیا ہوگی۔

مرکزی حکومت کو کُلّی اختیار حاصل ہونے سے ہندو کیا کچھ کریں گے

مسلمانوں کے مطالبہ کے ماتحت پنجاب، بنگال، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحدی میں ایسی حکومت ہوگی جس کا زیادہ عنصر مسلمان ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں یوپی، بہار، مدراس، بمبئی، وسطی صوبوں اور

آسام میں ایسی حکومت ہوگی۔ جس میں ہندو عنصر زیادہ ہوگا لیکن باوجود اس کے کہ صوبہ جات کو بعض اختیار حاصل ہونگے۔ وہ قانونی طور پر مرکزی حکومت کے گماشتے ہونگے جس میں ہندو عنصر مسلم عنصر سے بہت زیادہ ہوگا۔ اب اس حالت میں دیکھ لو کہ ہندو کیا کچھ نہ کر سکیں گے۔ فرض کرو کل کو پنجاب اور بنگال میں مسلمان، یونیورسٹی کے متعلق فیصلہ کریں کہ اس میں مسلمان عنصر نسبتِ آبادی کے مطابق ہو یا ملازمتوں کے متعلق فیصلہ کریں کہ ان میں مسلم عنصر آبادی کے تناسب سے ہو مرکزی حکومت اس میں دخل دے دے کہ ہمارے نزدیک یہ قانون فرقہ وارانہ اصول پر مبنی ہے۔ اسے ہم روکنا چاہتے ہیں۔ پنجاب اور بنگال اس امر کو تسلیم نہ کریں اور اپنے منشاء کو پورا کرنے پر زور دیں۔ مرکزی حکومت اس پر ایک مسودہ پیش کردے کہ پنجاب اور بنگال نے چونکہ اپنے آپ کو حکومت کا اہل ثابت نہیں کیا۔ اس لئے اس سے فلاں فلاں حقوق مرکزی حکومت واپس لیتی ہے۔ یا اس کی حکومت کا نظام پوری طرح بدل کر اس اس طرح کرتی ہے۔ بتاؤ کہ اس وقت مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ایسا کیوں ہوگا۔ اس وقت بھی گورنمنٹ بعض میونسپل کمیٹیوں کے ساتھ ایسا کرتی ہے کہ ان پر بعض الزامات لگا کر ان کے حقوق واپس لے لیتی ہے۔ مرکزی حکومت کو حکومت کا مالک قرار دے کر صوبہ جات کی حیثیت میونسپل کمیٹیوں سے زیادہ نہ ہوگی۔ انہیں جس قدر بھی اختیارات دے دو پھر بھی وہ مختار عام سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مالک مرکزی حکومت ہوگی۔ وہ جس وقت چاہے گی اپنے مختار نامہ کو منسوخ کردے گی، پھر مسلمانوں کے پاس کیا رہ جائے گا۔

بنگال اور پنجاب کی مسلم اکثریت کس طرح اقلیت بنائی جاسکتی ہے

میں ایک اور مثال لیتا ہوں اور وہ یہ کہ نہرو رپورٹ کی رو سے مرکزی حکومت صوبہ جات کی حدود کو تبدیل کر سکتی ہے۔ بیشک آج مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت حاصل کرلیں، حقوق بھی لے لیں لیکن پنجاب اور بنگال چونکہ اصل مالک نہ ہونگے۔ بلکہ گماشتے ہونگے، اس لئے کل کو اگر مرکزی حکومت یہ فیصلہ کردے کہ آسام کو بنگال کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس کے راستے میں کوئی روک نہیں۔ یا اُڑیا علاقے بہار سے نکال کر بنگال کے ساتھ ملادیں۔ اس بہانہ سے کہ اُڑیا قوم چھوٹی ہے، اس کا الگ صوبہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے ان سب کو بنگال میں جمع کردو تو مسلمانوں کا کوئی بس نہیں چل سکے گا۔ اور اس ایک تغیّر سے جو بظاہر بالکل غیر فرقہ وارانہ معلوم ہوگا، بنگال کے

مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں بدل جائے گی اور وہی حقوق جو مسلمانوں نے اپنے لئے حاصل کئے ہوں گے ہندوؤں کے قبضہ میں چلے جائیں گے۔ اسی طرح اگر پنجاب میں مرکزی حکومت تبدیلی کر دے۔ یوپی ایک بہت بڑا صوبہ ہے۔ پنجاب سے اس کی آبادی قریباً دگنی ہے۔ اسی طرح پنجاب کے تین اضلاع راولپنڈی' اٹک' میانوالی' افغان طرز رہائش سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت پنجاب کے اور ڈیرہ غازیخان بلوچوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اگر آئندہ زمانہ میں مرکزی حکومت یہ فیصلہ کر دے کہ افغانوں سے زیادہ مشابہت رکھنے والے پنجابی اضلاع کو صوبہ سرحدی سے ملا دیا جائے اور ڈیرہ غازیخان کو بلوچستان سے تو بتاؤ کہ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کا کیا باقی رہ جائے گا۔ اور پھر اگر وہ میرٹھ اور مظفر نگر کے علاقوں کو پنجاب سے ملا دیں۔ یا انبالہ اور دہلی کے علاقہ کو یوپی سے کاٹ کر پنجاب میں ملا دیں۔ تو کیا مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں نہ بدل جائے گی۔ اور ان دو بڑے اسلامی صوبوں میں اسلامی اکثریت کے مٹ جانے سے جس آزاد ترقی کے مسلمان خواہاں ہیں' کیا اس کا کوئی بھی امکان باقی رہ جائے گا۔

اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جن کے ذریعہ سے مرکزی حکومت نہرو رپورٹ کی پیش کردہ طرز حکومت کی رو سے بنگال اور پنجاب کے اسلامی صوبہ جات کو یا تو بالکل مٹا سکتی ہے یا ان میں ہندوؤں کی اکثریت کر سکتی ہے لیکن مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبہ ہے' اس کی رو سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلمان فیڈرل حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں جس میں اصل مالک صوبہ جات قرار پاتے ہیں مرکزی حکومت ایک گماشتہ کی حیثیت رکھے گی وہ قانوناً صرف انہی معاملات میں دخل دے سکے گی جن میں دخل دینے کا اختیار اسے صوبہ جات دیں گے اور اس وجہ سے وہ کسی صوبہ کے حدود کو اس صوبہ کے لوگوں کی مرضی کے بغیر تبدیل نہیں کر سکے گی اور نہ صوبہ جات کی حکومت پر الزام لگا کر اس کے اختیار چھین سکے گی۔

مرکزی حکومت کو سب اختیار ملنے پر مسلمانوں کو کیوں خطرہ ہے

اس جگہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مرکزی حکومت کو اختیار تو سب صوبوں کے متعلق ملا ہے۔ ہندوؤں کے صوبوں کے متعلق بھی اور مسلمانوں کے صوبوں کے متعلق بھی پھر ہمیں کیوں اعتراض ہو۔ کیونکہ اصل سوال تو اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ اور قریب زمانہ تک

ان کے اچھے ہونے کی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر اچھے بھی ہو جائیں تو موجودہ حالات میں اس تغیر پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ پچھلے پندرہ سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سال میں دو تین دفعہ بدلتے ہیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ جب تعلقات خراب ہوتے ہیں تب بھی مسلمانوں کو ہی نقصان ہوتا ہے اور جب وہ اچھے ہوتے ہیں تب بھی کچھ مسلمانوں کو ہی دینا پڑتا ہے۔ پس ان حالات میں ہندو مرکزی حکومت سے مسلمانوں کو تو خوف ہو سکتا ہے' ہندوؤں کو نہیں۔ پنجاب کے مسلمان تو ڈر سکتے ہیں کہ پنجاب کو ہندو مرکزی حکومت ہندو صوبہ نہ بنا دے۔ یوپی کے ہندو صوبہ کو مرکزی حکومت سے جو اکثریت کی وجہ سے ہندو حکومت ہو گی۔ کیا خوف ہو سکتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ اثر سب پر برابر ہو گا' ایک دھوکا اور فریب ہے۔

گورنر یا حکومت برطانیہ دخل نہ دے سکے گی

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے حالات ہونگے تو گورنر یا حکومت برطانیہ دخل دے دے گی۔ کیونکہ جو لوگ اب مسلمانوں کے مطالبات پورا کرنے کو تیار نہیں وہ آئندہ کب کریں گے۔ اور پھر کیا اس قدر اہم معاملہ کو گورنر پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ اگر ایک غیر شخص کی رائے پر اس قدر اعتبار ہو سکتا ہے تو سائمن کمیشن (SIMON COMMISSION) کے خلاف اس قدر جوش کیوں ہے۔ اس میں تو ایک شخص نہیں بلکہ سات آدمی شامل ہیں اور آئندہ کا معاملہ صرف ایک گورنر سے تعلق رکھے گا۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آئینی حکومتوں میں گورنروں کے اختیارات صرف فرضی ہوا کرتے ہیں۔

نہرو رپورٹ موجودہ شکل میں قابل قبول نہیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان شُبہات کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قانونِ اَساسی میں یہ امر شامل کر دیا جائے کہ صوبہ جات کی حکومت میں مرکزی حکومت دخل نہ دے سکے گی۔ اور یہ بھی کہ اس کی حدود کو اس کی مرضی کے بغیر بدل نہ سکے گی۔ اس سے مسلمانوں کی حالت مضبوط ہو جائے گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آئندہ تغیرات کے بعد نہرو رپورٹ کو اچھا بنا دیا جائے تو اس پر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کی موجودہ شکل مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ مگر اس مخصوص سوال کے متعلق تو میں یہ بھی کہوں گا کہ اس تغیر کے باوجود بھی مسلمانوں کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر قانونِ اَساسی میں اس امر کو داخل بھی کر دیا جائے تو اس امر کا کون ذمہ دار ہے کہ قانون اساسی

کو آئندہ بدل نہ دیا جائے گا۔ جب حقِ حکومت، مرکزی حکومت کو دیا گیا ہے اور قانونِ اَساسی کو بدلنے کا حق بھی اسے دے دیا گیا ہے تو کل کو وہ ان قوانین کو بدل سکتی ہے اور اپنے لئے یہ اختیار تجویز کر سکتی ہے کہ ہم صوبہ جات کے معاملات میں ضرورت کے موقع پر دخل دے سکتے ہیں اور ان کی حدود کو بھی بدل سکتے ہیں۔ پس جب تک ملکیت مرکزی حکومت کی تسلیم کی گئی ہے اس وقت تک اس بارے میں کوئی حقیقی حفاظت مسلمانوں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ علاج صرف یہی ہے کہ حقِ حکومت صوبہ جات کو دیا جائے۔

ساہو کارے والی روح کا مظاہرہ

لوگ نہرو رپورٹ کی تعریف کرتے ہیں لیکن میں جب اس مقام پر آتا ہوں تو اس رپورٹ کے لکھنے والوں کی عقل پر مجھے تعجب آتا ہے۔ انہوں نے بعض دوسرے امور میں مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر کے خواہ مخواہ انہیں بھڑکا دیا۔ اگر وہ صرف حقِ حکومت، مرکزی حکومت کو دے کر صوبہ جات کو سب اختیار دے دیتے اور مسلمانوں کو جُداگانہ انتخاب کا حق بھی دے دیتے۔ پنجاب اور بنگال میں اکثریت بھی دے دیتے۔ تب بھی ہندوؤں کا کچھ نہ بگڑتا۔ کیونکہ وہ حکومت کے ملنے کے بعد جس وقت چاہتے ان حقوق کو ملیا میٹ کر سکتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ساہو کارے والی روح ان پر غالب تھی۔ اور وہ منہ سے بھی مسلمانوں کو کچھ دینے کیلئے تیار نہ تھے۔ جس طرح کہ گڑیانی کے ایک بنئے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ وہاں کے ایک پٹھان رئیس سے کہا کرتا تھا کہ خان صاحب تمہارا مال سو ہمارا مال اور ہمارا مال سوا ہاہاہا! ہاہاہا۔ یعنی ہنسی میں بھی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ ہمارا مال سو تمہارا مال۔ بلکہ ہنس کر بات ختم کر دیتا تھا۔ یہی حال نہرو کمیٹی کا ہے کہ اس نے ہنسی میں بھی مسلمانوں کو حق نہ دیئے۔ اگر وہ یہ حق رکھ کر باقی سب کچھ دے دیتی تو شائد اکثر مسلمان دھوکے میں آ جاتے۔ اور چند سمجھ دار لوگ ہی اصل حقیقت تک پہنچتے مگر ان کے سمجھانے کا شائد کچھ اثر نہ ہوتا۔

مسلمانوں کا مطالبہ پورا کرنے پر حکومت کا طریق کیا ہوگا

نہرو رپورٹ کی تجویز کا بوداپن بتانے کے بعد میں اب یہ بتاتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا مطالبہ پورا کیا جائے تو ہندوستان کی حکومت کا طریق یہ ہوگا کہ سب صوبہ جات اپنے اپنے علاقہ میں خود مختار حکومتیں سمجھے جائیں گے۔ جو اپنے فوائد اور ہندوستان کے مجموعی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اس امر پر اتفاق کریں گے کہ

چند اختیارات جن کا ایک مرکز کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے جیسے ملکی فوج (صوبہ جات اپنی ضروریات کیلئے ایک مقامی فوج بھی رکھتے ہیں) ریل ' تار' ڈاک ' محصول بر آمد در آمد کا انتظام ' امور خارجیہ اور ان کا مقرر کرنا' سکہ کا اجراء وغیرہ وغیرہ ایک مرکزی حکومت کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں۔ جو اختیارات مرکزی حکومت کو شروع میں مل جائیں گے۔ ان سے زائد اس نے اگر حاصل کرنے ہوں یا کوئی نیا صیغہ نکلے جس کا اس سے پہلے خیال نہ ہو تو وہ چند قواعد کے مطابق تمام صوبہ جات مل کر اور مشورہ کے بعد اگر چاہیں تو ان کو عطا کریں گے۔ اس طرز حکومت میں ہر اک صوبہ اپنے طور پر ترقی کرنے کا پورا اختیار رکھے گا۔ اسلامی صوبے بغیر ہندو مرکزی حکومت کی دخل اندازی کے خوف کے، آزادی سے ترقی کر سکیں گے اور ہندو صوبے اپنی جگہ ترقی کر سکیں گے اگر کہو کہ ہندو صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم ہوا تو اس صورت میں اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرکزی حکومت تو ہندو ہی ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں نے کیا کر لینا ہے۔ اگر ہندو ان کی بات سننے پر تیار ہونگے تو وہی اثر جو مرکزی حکومت پر ڈالنا ہے' اس صوبہ کی حکومت پر ڈالا جا سکتا ہے جس میں جھگڑا پیدا ہوگا۔ لیکن مرکزی حکومت کو حکومت کا حق دے دینے میں تو مسلمانوں کیلئے کوئی صوبہ بھی آزاد نہ رہے گا۔ اس آزاد حکومت کا یہ بھی اثر ہوگا کہ مرکزی حکومت بھی ظلم کرتے ہوئے ڈرے گی۔ کیونکہ وہ جانے گی کہ اس کے اختیار کی وسعت صوبہ جات کی رائے پر ہے۔ اگر وہ کسی خاص مذہب کے صوبہ کو دق کرے گی تو اسے بھی حقوق کے ملنے میں مشکل ہوگی۔ اس صوبہ جات کی نگرانی میں یاد رکھنا چاہئے کہ آٹھ یا نو ہندو صوبوں کے مقابلہ میں پانچ مسلمان صوبے ہونگے۔ اور آبادی کی نسبت سے مسلمانوں کا حق زیادہ ہو جائے گا۔ یعنی ثلث سے بھی زیادہ اور اختیارات کی وسعت کے سوال کے متعلق دوسری حکومتوں کی طرح یہ قانون بنانا ہوگا کہ تین چوتھائی صوبوں کی مرضی پر اختیارات وسیع ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کا زور بہت حد تک مؤثّر ہوگا۔

مسلمانوں کا فیڈرل حکومت کا مطالبہ جائز ہے

یہ بتانے کے بعد کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ ضروری ہے اور بلاوجہ نہیں اور یہ کہ اس کے بغیر مسلمانوں کے حقوق ہرگز محفوظ نہیں رہتے اور نہرو رپورٹ کا اس مطالبہ کو ردّ کرنا گویا مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت سے انکار کرنا ہے' اب میں اس امر پر روشنی ڈالتا

ہوں کہ کیا یہ مطالبہ جائز ہے' سو یاد رکھنا چاہئے کہ جواز پر دو طرح غور کیا جا سکتا ہے۔

اول: کیا اس مطالبہ سے کسی اور کے حقوق پر زد پڑتی ہے۔

دوم: کیا ملک کی ترقی اور نشوونما کے لئے یہ مطالبہ مُضرّ ہے۔

اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی ثابت ہو تو ہمیں اس مطالبہ کے پورا ہونے پر مسلمان کے فوائد اور اس کے مقابلہ پر ملک یا دوسری اقوام کو جو نقصانات پہنچ سکتے ہیں ان کا موزانہ کرنا پڑے گا۔ پہلا سوال کہ کیا اس مطالبہ کے پورا کرنے سے کسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے' اس جگہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فیڈرل حکومت کے قیام میں کسی قوم کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ہندوؤں کی اس ملک میں کثرت ہے۔ مرکزی حکومت میں ان کی کثرت ہی رہے گی۔ باقی رہے صوبہ جات ان میں بھی جو صوبے ہندو اکثریت والے ہیں' ان میں ہندوؤں کی کثرت رہے گی۔ اور جو مسلمان اکثریت والے ہیں' ان میں مسلمانوں کی اکثریت رہے گی۔ پس اس انتظام میں نہ ہندوؤں کا کوئی نقصان ہے اور نہ کسی قوم کا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس مطالبہ کے پورا کرنے میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور یہ مطالبہ مسلمانوں کا کسی رعایت کا مطالبہ نہیں ہے۔ بلکہ بغیر کسی رعایت کے اپنے حق کی حفاظت کا مطالبہ ہے۔ اور اگر ہندو انہیں ایسے حقوق بھی دینے کیلئے تیار نہیں جن میں انہیں کوئی قربانی نہیں کرنی پڑتی' صرف اقلیتوں کی حفاظت ہوتی ہے تو انہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ اقلیتیں ان کے ساتھ مل جائیں گی۔

فیڈرل طرزِ حکومت ترقی میں روک نہیں

دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ کیا یہ مطالبہ ملک کی ترقی کے راستہ میں تو روک نہ ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فیڈرل گورنمنٹ کا اصول کوئی غیر مجرّب اصول نہیں ہے' بلکہ ایک لمبے عرصہ سے اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور یہ بہترین اصل ثابت ہوا ہے۔ برٹش امپائر (BRITISH EMPIRE) بھی درحقیقت ایک قسم کا فیڈریشن (FEDERATION) ہے کہ جس کے آزاد حصوں کے کام میں مرکزی حکومت کوئی دخل نہیں دیتی۔ لیکن سب سے بہتر تجربہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہوا ہے۔ ان ریاستوں کی گورنمنٹ کی ابتدا ہی فیڈرل اصول پر ہوئی ہے اور برابر یہ گورنمنٹ ترقی ہی کرتی چلی جا رہی ہے۔ اس وقت سب دنیا سے مالدار حکومت یہی ہے' بلکہ سب سے زیادہ طاقتور بھی۔ پچیس سال کی بات ہے کہ انگریزی حکومت

سب سے بڑی دو بحری حکومتوں کے بیڑوں سے بڑا بیڑا بناتی تھی۔ لیکن آج اس وسیع حکومت کو ریاستہائے متحدہ کے مقابلہ سے پیچھے ہٹنا پڑا ہے۔ اور کل ہی کی بات ہے کہ ایک لیبر لیڈر نے تقریر میں کہا کہ کیا کوئی حکومت پاگل ہوئی ہے کہ خواہ مخواہ ریاستہائے متحدہ کو ناراض کر کے اپنے آپ کو مشکلات میں ڈال لیگی۔ پس باوجود اس کامیاب تجربہ کے کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ فیڈرل حکومت سے گورنمنٹ طاقت نہیں پاتی۔ ریاستہائے متحدہ کے علاوہ جنوبی افریقہ' آسٹریلیا اور سوئٹزرلینڈ میں بھی اسی قسم کی حکومت ہے۔ گو آسٹریلیا اور ساؤتھ افریقہ کی حکومتوں پر انگریزی طرز حکومت کا اثر پڑا ہے اور سوئٹزرلینڈ نے ملک کے چھوٹا ہونے کے سبب سے بعض ایسے قوانین بنائے ہیں کہ وسیع ملک میں ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر بہرحال یہ حکومتیں فیڈرل اصول پر ہیں اور کامیاب طور پر چل رہی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور نئی حکومت ہے یعنی زیکوسلویکا جس میں نئی قسم کا تجربہ کیا گیا ہے۔ یعنی سارے ملک میں تو فیڈریشن نہیں ہے۔ لیکن روتھینیا کے علاقہ کو ان لوگوں کے خوف کی وجہ سے کامل خود اختیاری حکومت دیدی گئی ہے جس کو کبھی مٹا نہ سکنے کا عہد زیکوسلویکا نے کیا ہے۔ مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اگر اسی طریق پر ہندو راضی ہو جائیں یعنی پانچوں مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق رہیں۔ اور ہندو صوبے مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں۔ اور جس طرح روتھینیا والوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ ان معاملات میں مرکزی پارلیمنٹ میں دوسرے صوبوں کے متعلق رائے نہ دیں گے جن امور میں کہ ان کے صوبے میں مرکزی حکومت دخل نہیں دیتی۔ (مگر زیکوسلویکا نے ان کے اس اقرار کے باوجود اپنے معاملات میں رائے دینے کا انہیں حق دیکر ایک بے نظیر وسعت حوصلہ کا ثبوت دیا ہے۔) اسی طرح مسلمان بھی شوق سے یہ عہد کر لیں گے کہ جو اختیارات مسلم صوبہ جات اپنے لئے محفوظ رکھیں گے ان میں ان صوبہ جات کے نمائندے دوسرے صوبوں کے کاموں میں دخل نہ دیں گے۔

ہندوستان کی فیڈریشن کیسی ہو

گو یہ موقع نہیں کہ میں اس امر کے متعلق کچھ بیان کروں کہ ہندوستان کی فیڈریشن کیسی ہو۔ لیکن چونکہ ممکن ہے بحث میں بعض نقائص کو لوگ پیش کریں۔ اس لئے میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان میں ریاستہائے متحدہ کا طریق زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ملک بھی ہندوستان کی طرح وسیع ہے اور اس میں مختلف نسلیں اور

مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ہاں یہ شرط ہو جانی چاہئے کہ کوئی صوبہ فیڈریشن سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف وہی اختیارات مرکزی حکومت کو دیئے جائیں جو امریکہ میں دیئے گئے ہیں بلکہ ان سے زائد اختیارات دیئے جا سکتے ہیں۔ ہاں اس امر کا لحاظ رکھنا ہو گا کہ صوبہ جات کے اندرونی نظم و نسق میں خلل نہ آئے۔

مسلمانوں کی موت و حیات کا سوال

میں سمجھتا ہوں کہ میں یہ بات ثابت کر چکا ہوں کہ فیڈریشن کا سوال مسلمانوں کے لئے موت اور حیات کا سوال ہے۔ اور یہ بھی کہ فیڈریشن کے اصول کو تسلیم کر لینے میں ہندوؤں کا کوئی نقصان نہیں اور سیاستاً اس قسم کی حکومت میں کوئی خرابی نہیں۔ اور اس لئے اس حصہ کو ان فقرات پر ختم کرتا ہوں کہ مسلمان یاد رکھیں کہ ان کے سب مطالبات میں سے وزنی مطالبہ یہی ہے۔ اگر اسے وہ حاصل کر لیں تو باقی مطالبات میں کوئی نقص رہ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس مطالبہ میں اگر کوئی نقص رہ گیا تو پھر ان کے لئے کہیں ٹھکانا نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر ایک شر سے محفوظ رکھے۔

مسلمانوں کا دوسرا مطالبہ 'تین نئے اسلامی صوبوں کا قیام

دوسرا مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا کہ تین نئے اسلامی صوبے قائم کئے جائیں۔ کہ اس طرح کہ صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو وہی حقوق دیئے جائیں جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں۔ اور سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک کامل طور پر بااختیار صوبہ بنا دیا جائے۔

نہرو کمیٹی نے اس مطالبہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ صوبہ سرحدی کو دوسرے صوبوں کی طرح حقوق دے دیئے جائیں۔ بلوچستان کے متعلق ایک چیستان سی ہے۔ بعض حصص رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق آزادی اسے ملے گا۔ لیکن جس جگہ حق کا فیصلہ کیا گیا ہے وہاں اس صوبہ کا ذکر نہیں ہے۔ نہ معلوم بھول گیا ہے یا جان کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک صوبہ کا صوبہ بھول جانا ایک ایسی کمیٹی کے لئے جو خاص سیاسی امور کے تصفیہ کے لئے مقرر ہوئی تھی، قابل تعجب ضرور ہے۔

سندھ کی علیحدگی کے رستہ میں شرائط کے روڑے

سندھ کے متعلق نہرو رپورٹ ان شرائط سے آزادی کا وعدہ

کرتی ہے۔ کہ (اول) اس کی مالی حالت ایسی ثابت ہو جائے کہ وہ اپنا بوجھ اٹھا سکے۔ [۳۹] یا اس کے باشندے یہ اقرار کر لیں کہ وہ حکومت کا بوجھ اٹھالیں گے۔ [۴۰] بشرطیکہ وہ بوجھ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کرنے والوں کے ارادوں کے مطابق ہو۔ [۴۱] (دوم) کوئی اور روک پیدا نہ ہو جائے جس کا ازالہ ناممکن ہو۔ [۴۲] (سوم) وہ یہ بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس اشارہ کو چھپانا چاہتے ہیں کہ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ وہ پوری طرح آزاد صوبہ ہو وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> "ہمیں یہ بھی کہہ دینا چاہئے کہ ایک صوبہ کی علیحدگی کے یہ معنی نہیں کہ ضرور اس کی اقتصادی زندگی بھی علیحدہ کر دی جائے۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ سب اعضائے گورنمنٹ اس کے لئے نئے بنائے جائیں۔ مثلاً یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ہائیکورٹ ایک سے زیادہ صوبوں کا کام کرے۔" [۴۳]

سندھ کبھی آزاد نہ کیا جائے گا

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبہ کو پورا کرنے کا نتیجہ تو یہ ہو گا کہ پنجاب، بنگال، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحدی کو کامل آزادی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن نہرو رپورٹ کے مطابق کم سے کم بنگال میں اسلامی عنصر کو کمزور کر دیا جائے گا۔ (جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا) صوبہ سرحدی کو کامل آزادی ملے گی۔ بلوچستان کے متعلق ان کی رائے ظاہر نہیں ہوئی۔ سندھ کی آزادی مشتبہ ہے، کیونکہ ان کے مطالبات ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے نہایت قوی شبہ ہوتا ہے کہ سندھ کبھی بھی آزاد نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر آزاد کیا جائے گا تو اس صورت سے کہ اس کی آزادی صرف نام کی ہو گی۔ اول تو ان کا یہ قول کہ کوئی غیر معمولی سبب پیدا نہ ہو جائے تو سندھ کو آزاد کرنے میں کوئی روک نہ ہو گی۔ ایک اشارہ ہے ہندو ایجیٹیٹر (AGITATOR) کو کہ اس وقت شور نہ مچاؤ۔ سندھ کو آزادی تمہارے ہی بھائیوں کے اختیار میں ہو گی۔ اور وہ اس میں پوری روک ڈالیں گے۔ میں اسے ایک خدا پرست انسان کا اظہار عقیدت نہیں قرار دے سکتا۔ جو ہر آئندہ کے کام میں خدا تعالیٰ کی قدرت کے ظہور کا راستہ کھلا رکھتا ہے۔ اور کسی آئندہ کی بات پر یقینی اور قطعی رائے ظاہر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یہ انشاء اللہ کی قسم کا جملہ نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس مقام کے سوا دوسرے مقامات پر بھی وہ ایسے ہی جملے استعمال کرتے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ وہ کرناٹک کی علیحدگی کے متعلق اس رضا برقضا

کے عقیدہ کا اظہار نہیں کرتے۔ وہ اپنی اور سفارشوں کے متعلق (اور نہرو رپورٹ ہے ہی آئندہ کے متعلق) کسی جگہ پر یہ فقرہ استعمال نہیں کرتے۔ پس اس جگہ ان الفاظ کا استعمال صاف بتاتا ہے کہ یہاں خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی بے بضاعتی کا اقرار نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ ہے۔

سندھ کی مالی حالت کی شرط

اسی طرح وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مالی حالت سندھ کی اس قابل ثابت ہو کہ وہ آزاد کیا جاسکے۔ یا وہاں کے لوگ بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ تب سندھ کو آزاد کیا جائے گا۔ یہ شرط بھی ایسی ہے کہ اس میں آئندہ کے لئے سندھ کی آزادی میں روک ڈالنے کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ مالی کمیشن سندھ کو آزادی کے قابل قرار ہی نہ دے۔ اور سندھ کے لوگ جب بوجھ اُٹھانے پر آمادگی ظاہر کریں تو ان کے لئے ایک ایسی حکومت کی تجویز پیش کی جائے جس کی ناز برداری ان کے لئے ناممکن ہو۔ کیونکہ سندھ کے ہندو مسلمانوں کے اجتماعی مطالبہ کے جواب میں کمیشن والے خود لکھ چکے ہیں کہ ہم یہ نہیں کرسکتے کہ تمہاری مالی حالت کو مدنظر رکھ کر ایک ایسی گورنمنٹ کی تجویز کو منظور کرلیں جو تمہاری مالی حالت کے مطابق ہو۔ [۴۴] پس ان باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی آزادی کے راستہ میں ہر قسم کی روکیں ڈالی جائیں گی۔ اور تسلّیاں جو دی گئی ہیں' صرف طفل تسلیاں ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی حقیقت نہیں ہے۔ کسی کا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ بدظنی کیوں کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے' قومی سمجھوتا ہے۔ اور قومی سمجھوتوں میں ہر ایک لفظ کا دیکھنا اور اس پر غور کرنا فرض ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا وہ قومی غدار ہے نہ کہ حسن ظن کرنے والا مومن۔ آگے معاہدات کے الفاظ کی جانچ پڑتال نہ کرنے کے سبب سے ترکی اور عرب اور ایران اور مصر سخت نقصان اٹھا چکے ہیں اور یہ بد قسمتی ہوگی اگر پچھلے واقعات سے مسلمان فائدہ نہ اٹھائیں اور ان سے درسِ عبرت نہ لیں۔

سندھ کو کیسی آزادی دی جائے گی

تیسری بات جس کی طرف کمیٹی نے اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ ضروری نہیں کہ سندھ پوری طرح آزاد کیا جائے۔ کیونکہ آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اقتصادی آزادی بھی اسے حاصل ہو۔ اور تمام محکمہ جات گورنمنٹ بھی اسے حاصل ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اقتصادی آزادی حاصل نہ

ہو تو وہ صوبہ آزاد کس طرح کہلا سکتا ہے۔ اصل چیز جس کے لئے الگ حکومتیں قائم کی جاتی ہیں وہ تو ہے ہی اقتصادی اور تمدنی آزادی۔ سیاست تو اس آزادی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چونکہ آزاد سیاست کے بغیر آزاد اقتصادی نشوونما حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے لوگ آزاد سیاست کی جستجو کرتے ہیں۔ پس اقتصادی زندگی کو کسی دوسرے صوبہ کے ساتھ وابستہ کرنے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اسے آزادی نہ دی جائے۔

میں افسوس سے اس امر کا اظہار کرنے پر مجبور ہوں کہ سندھ کے سوال پر جو کچھ کمیشن نے لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے تو سندھ کو مالی سوال پر آزادی سے محروم کیا جائے گا۔ اگر وہاں کے لوگ مالی بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوئے تو پھر ایسی وزنی مشینری حکومت کی ان کے سامنے پیش کی جائے گی جسے وہ قبول نہ کر سکیں۔ اور جب سندھ مایوس ہو جائے گا تو اس وقت اس کے سامنے وہ تجویز پیش کی جائے گی۔ جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:۔

"ہمیں یہ بھی کہہ دینا چاہئے کہ ایک صوبہ کی علیحدگی کے یہ معنی نہیں کہ ضرور اس کی اقتصادی زندگی بھی علیحدہ کر دی جائے۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ سب اعضاء گورنمنٹ اس کے لئے بنائے جائیں۔ مثلاً یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ہائیکورٹ ایک سے زیادہ صوبوں کا کام کرے۔"[۴۵]

اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ایک مایوس شدہ صوبہ جب ساری نہ ملے گی تو آدھی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور سندھ کی حکومت ایک نیم آزاد صوبہ کی سی قرار پا جائے گی۔

بنگال میں مسلمانوں کی میجارٹی کس طرح توڑی جائے گی

میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں کہ نہرو کمیٹی نے بنگال میں مسلمانوں کی میجارٹی (MAJORITY) کو توڑنے کا بھی ایک دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اب میں اس پر کسی قدر روشنی ڈالتا ہوں۔ رپورٹ کے صفحہ ۶۳ پر لکھا ہے۔

"ہمارے شریک کار مسٹر سوباش چندر ابوس تسلی ظاہر کرتے ہیں کہ اُڑیا بولنے والے علاقے آپس میں ملا دینے چاہئیں۔ اور اگر مالی طور پر ممکن ہو تو ان کا ایک جُداگانہ صوبہ بنا دینا چاہئے اسی طرح ان کی رائے یہ بھی ہے کہ آسام، اُڑیسہ اور بہار میں

بنگالی بولنے والے علاقوں کا مطالبہ کہ انہیں بنگال سے ملا دیا جائے ایک معقول اور جائز مطالبہ ہے۔"

مسٹر سوباش چندر ابوس کے اس مطالبہ کے متعلق کمیشن نے ہوشیاری سے بحث نہیں کی۔ کیونکہ فتنۂ خوابیدہ کو جگانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن انہوں نے اس خیال کو پیش کر کے آئندہ کے لئے راستہ کھول دیا ہے کیونکہ وہ اپنی رپورٹ میں خود یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ صوبہ جات کی نئی تقسیم زبان اور کثرت آبادی کی خواہش کے مطابق[46] ہونی چاہئے۔ اور یہ انہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان لوگوں کی زبان بنگالی ہے۔ اور ان کی خواہش بھی ہے کہ اپنے بنگالی بھائیوں سے انہیں ملا دیا جائے۔ پس جب ان کے اس فقرہ کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے۔ کہ "یہ بات واضح ہے کہ صوبہ جات کی تقسیم نئے سرے سے ہونی چاہئے۔"[47] تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنگال کی ایسی تبدیلی کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جس میں ہندو عنصر مسلمانوں سے زیادہ ہو جائے گا۔

پنجاب کی مسلم اکثریت کو خطرہ

اس فقرہ سے کہ "یہ بات تو واضح ہے کہ صوبہ جات کی تقسیم نئے سرے سے ہونی چاہئے۔" پنجاب بھی باہر نہیں۔ اور اس کی داغ بیل اگر رپورٹ لکھنے والوں کے ذہن میں نہ تھی تو اب بعد میں پڑنے لگ گئی ہے۔ چنانچہ پنجاب کی نیشنل پارٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پنجاب کے متعلق انہیں نہرو رپورٹ کا فیصلہ منظور ہے بشرطیکہ مغربی اضلاع صوبہ سرحدی میں شامل کر دیئے جائیں۔ اور میرٹھ کمشنری پنجاب میں (سِول اینڈ ملٹری گزٹ) یعنی انہیں یہ فیصلہ اس صورت میں منظور ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کو توڑ کر ہندو اکثریت کر دی جائے یہ تجویز نہ معلوم کب تک زور پکڑے۔ مگر بہرحال اب عملی سیاست کے صفحات پر آگئی ہے اور ہندو مرکزی اکثریت اگر ایسا کرے تو اس میں کیا روک ہو سکتی ہے۔

نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو کیا دیا

پس موجودہ صورت حالات یہ ہے کہ مسلمانوں نے چاہا تھا۔ پنجاب، بنگال، سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان آزاد اور خود مختار اسلامی صوبے ہوں۔ نہرو رپورٹ سندھ کو ایک نیم آزاد حکومت دینا چاہتی ہے۔ بنگال کی اسلامی اکثریت کو ہندو اکثریت میں تبدیل کرنے کا اشارہ کرتی ہے۔ اور اپنے پیش کردہ اصول کے مطابق اسے ناقابلِ ردّ مطالبہ قرار دیتی ہے۔ پنجاب کے متعلق ایک

ایسی ہی تحریک شروع ہو گئی ہے جس کا روکنا مسلمانوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ پس نہرو رپورٹ کے نتیجہ میں ایک نیم آزاد سندھ ایک ہندو بنگال ایک ہندو پنجاب مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ باقی رہے صوبہ سرحدی اور بلوچستان' سو بلوچستان کا معاملہ مشکوک ہے۔ اگر وہ آزاد بھی کر دیا جائے تو دو چھوٹے چھوٹے صوبے مسلمانوں کے قبضہ میں رہ گئے جو زیادہ سے زیادہ ایک عبرتناک ہجرت کے لئے راستہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو یہ یاد دلانے کے کام آئیں گے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے تمہیں دیا تھا اسے آنکھیں بند کر کے کھو دینے کی سزا میں اب تم ادھر سے ہی واپس چلے جاؤ جدھر سے تم آئے تھے۔

مسلمانوں کے مطالبہ کی معقولیت

مسلمانوں کے مطالبہ اور نہرو رپورٹ کی تجویز میں فرق بتانے کے بعد اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کا مطالبہ ضروری تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن میں اختلاف ہو' انہیں آزاد نشوونما کا موقع ضرور ملنا چاہئے ورنہ فساد اور فتنہ کا دروازہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا۔ یورپ میں جہاں جہاں زبان اور تمدن کا اختلاف ہے۔ ان علاقوں کو الگ علاقہ کی صورت میں نشوونما پانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ زیکوسلویکا کا واقعہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس میں روتھینیا کو الگ اور اندرونی طور پر آزاد حکومت عطا کی گئی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی ریاستوں کا قیام بھی اسی اصل پر ہے کہ چونکہ وہ الگ الگ پہلے سے قائم تھیں اور ہر اک کا ایک خاص طریق تمدن قائم ہو چکا تھا اور مذہب کا بھی اختلاف تھا' اس لئے ریاستوں کو توڑ کر ایک حکومت قائم کرنے کی بجائے انہیں علیحدہ ہی رہنے دیا گیا پس یہ مطالبہ بالکل عقل کے مطابق ہے۔ اور اس کی ضرورت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص تمدن اور اپنی روایات کو قائم رکھ سکیں اور ان کی قومی روح تباہ نہ ہو جائے۔ جو ضرورت ہندوستان کو انگریزی اثر سے آزاد ہونے کی ہے وہی ضرورت مسلمانوں کو ان کی کثرت رکھنے والے صوبوں میں ایک حد تک آزاد رہنے میں ہے۔ اگر یہ ضرورت غیر حقیقی ہے تو پھر ہندوستان کی آزادی کی ضرورت بھی غیر حقیقی ہے۔ مگر میں تفصیل سے اس بحث پر یہاں نہیں لکھ سکتا' کیونکہ اس کے دلائل محفوظ نشستوں کی ضرورت کے دلائل سے ملتے ہیں اور اس کا ذکر آئندہ ہو گا پس اُس جگہ مَیں اِس پر زیادہ تفصیل سے بحث کروں گا۔

مسلمانوں کے مطالبہ سے کسی کے حقوق کا اتلاف نہیں

اب رہا یہ سوال کہ کیا یہ مطالبہ جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقوق کے لحاظ سے بھی اور سیاست کے لحاظ سے بھی یہ مطالبہ بالکل جائز ہے حقوق کے لحاظ سے اس لئے کہ اس میں کسی کے حق کا اتلاف نہیں۔ صوبہ سرحدی کو نیابتی حکومت نہ دینے میں سرحدیوں کے حقوق کا اتلاف ہے۔ اسی طرح سندھ جس کی نسبت خود رپورٹ والے تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ اس کی زبان علیحدہ ہے۔ اس کا تعلق بمبئی سے مصنوعی ہے۔ بمبئی تک لوگوں کا پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اس کی آزادی میں کسی کا حق کس طرح مارا جا سکتا ہے۔ اگر حق مارا جاتا ہے تو سندھ کو الگ نہ کرنے کی صورت میں سندھیوں کا مارا جاتا ہے۔ بلوچستان پہلے ہی ایک علیحدہ صوبہ ہے پس اسے نیابتی حق دینے میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

سندھ کی آزادی اور ہندو

دو باتیں ہیں جنہیں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس تغیر میں ان ہندوؤں کا نقصان ہے جو ان صوبوں میں بستے ہیں۔ کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لیکن یہ کوئی نقصان نہیں۔ اگر یہ دلیل درست ہے تو پھر بمبئی' مدراس' یوپی' بہار وغیرہ صوبوں کو بھی حق نہیں ملنے چاہئیں۔ کیونکہ وہاں مسلمانوں کی اقلیت کو ایسا ہی خوف ہو سکتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ خوف ہے۔ کیونکہ مرکزی حکومت گو فیڈرل اصول پر ہو پھر بھی ایک بہت بڑا وزن رکھے گی اور اس میں اکثریت ہندوؤں کی ہوگی۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ سندھ پر بمبئی کا بہت کچھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے' اس لئے اسے آزادی کا حق نہیں۔ یہ جواب بھی درست نہیں۔ یہ تو ویسا ہی جواب ہے جیسا کہ بعض انگریز کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ہمارے تاجر ہیں۔ ہم سرمایہ لگا چکے ہیں' اس لئے اسے آزادی نہیں ملنی چاہئے۔ اگر سندھ پر بمبئی کا اس قدر بھی خرچ ہو رہا ہوتا تو آج بمبئی کے ہندو سندھ کی آزادی پر سب سے زیادہ زور دینے والے ہوتے۔ مگر وہ سب سے زیادہ سندھ کو قابو رکھنا چاہتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو ظاہر میں بمبئی سندھ پر روپیہ خرچ کر رہا ہے' لیکن اصل میں وہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کیا اس میں شک ہے کہ کراچی جیسا بندر موجود ہوتے ہوئے سندھ مالی ترقی نہیں کر سکا۔ اور کیا اس کی یہی وجہ نہیں کہ بمبئی سندھ سے فائدہ حاصل کر رہا تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ

کراچی ترقی کر سکے تاکہ اس کا فائدہ ضائع نہ جائے۔ غرض بمبئی نے بلاواسطہ اگر سندھ پر ایک روپیہ خرچ کیا ہے تو بالواسطہ اس نے دو کمائے ہیں اور تب ہی اس کی وابستگی اسے اس قدر مرغوب ہے۔ پس یہ دونوں اعتراض باطل ہیں اور کسی کا حق سندھ کے آزاد ہونے میں تلف نہیں ہوتا۔

صوبہ سرحدی اور سندھ کو آزادی دینا سیاستاً ضروری ہے

اب رہا سیاست کا سوال سو سیاستاً ان صوبوں کے آزاد ہونے میں بڑا نفع ہے اور نہ ہونے میں نقصان۔ اگر سندھ کو نیابتی حکومت دے کر علیحدہ صوبہ نہ بنایا گیا تو جیسا کہ خود نہرو رپورٹ نے تسلیم کیا ہے' سندھ میں سخت ایجی ٹیشن (AGITATIONS) ہو گا اور ملکی طاقت ضائع ہو گی۔ ۴۸ ؎

صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو اگر نیابتی حکومت نہ دی گئی تو ظاہر ہے کہ سرحدی صوبے ہونے کی وجہ سے وہ سرحد پار کی حکومتوں کی سازش کی آماجگاہ بن سکیں گے۔ بہترین سیاسی پالیسی یہی ہوتی ہے کہ سرحدی صوبوں کو خوش رکھا جائے۔ ورنہ ان میں ہمسایہ حکومتیں ریشہ دوانیاں شروع کر دیتی ہیں اور خود ملک کا ایک حصہ اپنی حکومت کے خلاف کھڑا ہو کر اسے کمزور کر دیتا ہے۔ یہ ظاہر امر ہے کہ اگر سرحدی صوبوں کو دوسرے صوبوں کے سے حقوق نہ ملے تو وہ ہندوستان سے ملحق رہنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ اور ان کے دل میں خواہش پیدا ہو گی کہ وہ کسی دوسری مملکت سے مل کر اپنی آزادی حاصل کریں۔ پس صوبہ سرحدی اور بلوچستان کو آزادی نہ دینا بد ترین سیاست ہو گی۔ اور ہندوستان کو نہ صرف خانہ جنگی میں مبتلا کر دے گی بلکہ غیر حکومتوں کی چھاؤنیاں اس ملک میں قائم کر دے گی۔

نہرو رپورٹ لکھنے والوں کے دل میں تعصّب

میں سمجھتا ہوں کہ میں کافی بحث کر چکا ہوں کہ تین نئے اسلامی صوبوں کے قیام کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست ہیں۔ اور ان کے پورا کرنے میں کسی کی حق تلفی نہیں۔ اور سیاستاً ان کا قائم کرنا ملک کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور ایسے اہم مطالبہ کا پورا نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ نہرو رپورٹ کے لکھنے والوں کے دل تعصّب سے خالی نہ تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس وقت تک کثرت کے دل سے تعصّب نہ نکلے گا' اقلیت بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں کا تیسرا مطالبہ نیابت مطابق آبادی

تیسرا مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا کہ ہر صوبہ میں ہر جماعت کو اس کی تعداد کے مطابق نمائندگی کا حق دیا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کسی صوبہ میں اقلیت بہت کم ہو۔ تب اقلیت کو اس کی آبادی سے کسی قدر زیادہ حقوق دیئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو جو حقوق ہندو صوبوں میں مسلمانوں کو دیئے جائیں' وہی حقوق ویسے ہی مسلمان صوبوں میں ہندوؤں کو دیئے جائیں۔

مطالبہ کا خلاصہ

اس مطالبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر بڑی قوم جو حساب میں آ سکتی ہے اس کے حق کو جو اس کی تعداد آبادی کے مطابق بنتا ہو' محفوظ کر دیا جائے تا کہ دوسری قومیں اپنی چالاکی سے اسے اس کے حق سے محروم نہ کر دیں۔

نہرو رپورٹ کا فیصلہ

نہرو رپورٹ نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ خیال عمدہ سیاست کے بالکل خلاف ہے کہ کسی قوم کا حق مقرر کر دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو اقوام بہت ہی کم ہیں ان کے حقوق مقرر کر دیئے جائیں۔ اور حق سے زیادہ دینا تو کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ اس امر کو سمجھ لینا چاہئے کہ حقوق کی حفاظت انتخاب سے تعلق رکھنے والے امور میں محفوظ نشستوں سے ہوتی ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ فیصدی کس قدر ممبریاں لازماً فلاں قوم کو ملیں گی اور وہ جگہیں بھی مقرر کر دی جاتی ہیں کہ جہاں سے اس قوم کے سوا کوئی اور ممبر منتخب نہیں ہو سکتا۔ پس حقوق مقرر کرنے سے مراد در حقیقت حلقہ ہائے انتخاب کی تعیین ہوتی ہے کہ اتنے حلقوں سے سوائے فلاں قوم کے امیدوار کے اور کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا۔

اب نہرو رپورٹ کے فیصلہ کے مطابق پنجاب اور بنگال کے سوا باقی صوبوں میں اگر اقلیتوں کی خواہش ہوگی تو انہیں ان کی آبادی کی تعداد کے مطابق محفوظ نشستیں دے دی جائیں گی۔ پس اس قانون کے مطابق پنجاب اور بنگال میں تو اپنے اپنے زور سے جس قدر ممبریاں ہندو مسلمان لے جائیں' لے جائیں۔ ان کی کوئی حد بندی نہیں ہوگی۔ اور باقی صوبوں میں سے صوبہ سرحدی بلوچستان اور سندھ اگر قائم ہو جائیں۔ تو ہندوؤں کو اختیار ہو گا کہ اگر چاہیں تو اپنی آبادی کے مطابق نشستوں کو ریزرو کرا لیں۔ اور اس سے زائد میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اور ان صوبوں کے سوا باقی صوبوں میں یہی حق مسلمانوں کو حاصل

ہو گا۔ گویا اس تجویز کے مطابق مسلم لیگ کے مطالبہ کا پورا کرنا تو الگ رہا۔ جو کچھ مسلمانوں کو پہلے مل رہا تھا۔ وہ بھی ان سے چھین لیا گیا ہے۔ مسلم لیگ تو یہ طلب کر رہی تھی کہ جو حق اب مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اس قدر حق مسلمانوں کے لئے محفوظ کر لیا جائے اور اس سے زائد نشستوں میں ہندوؤں کا مقابلہ کرنیکی مسلمانوں کو اجازت ہو۔ اور یہی حق ان صوبوں میں ہندوؤں کو مل جائے۔ جن میں مسلمانوں کی کثرت بہت زیادہ ہو۔ لیکن نہرو رپورٹ صرف اسی قدر حق مسلمانوں کا رکھتی ہے جو مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے انہیں ملنا چاہئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان جو یوپی میں ۱۵ فیصدی ہیں لیکن تیس فیصدی حق نیابت انہیں مل رہا ہے۔ آئندہ انہیں صرف پندرہ فیصدی کا حق حاصل ہو گا۔ اس سے زیادہ اگر وہ زور سے لے سکیں، تو لے لیں۔ بہار جس میں مسلمان دس فیصدی سے بھی کم ہیں لیکن اس وقت بیس فیصدی کے قریب حق لے رہے ہیں، آئندہ انہیں صرف دس فیصدی کا حق حاصل ہو گا اور مدراس میں مسلمانوں کی آبادی چھ فیصدی کے قریب ہے، اور اس وقت انہیں حق نیابت بارہ فیصدی کے قریب ملا ہوا ہے۔ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق آئندہ وہاں مسلمانوں کو صرف چھ فیصدی حق حاصل ہو گا۔ آسام میں مسلمانوں کی تعداد اکیس فیصدی کے قریب ہے۔ لیکن کونسلوں میں انہیں اس وقت تیس فیصدی تک کا حق حاصل ہے۔ نہرو رپورٹ کے مطابق آئندہ انہیں صرف اکیس فیصدی نیابت کا حق حاصل ہو گا۔ بمبئی جس میں مسلمانوں کی آبادی بیس فیصدی کے قریب ہے۔ لیکن حق نمائندگی ایک ثلث کے قریب انہیں حاصل ہے، آئندہ صرف بیس فی صدی انہیں ملے گا۔ غرض نہرو رپورٹ نے جو سفارش کی ہے۔ اس کی رو سے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی نیابت نصف سے لیکر ایک تہائی تک کم ہو جائے گی۔ اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ ملا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پنجاب اور بنگال میں اور دوسرے صوبوں میں سے جو کچھ مسلمان زور سے لے سکیں لے لیں۔

یہ تقسیم بالکل ایسی ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ ایک بخیل ہندو راجہ نے اپنے پروہت کو خوش ہو کر وہ گائے بخش دی تھی جو ایک سال پہلے گم ہو چکی تھی۔ مگر اس کا لڑکا جو اس سے بھی زیادہ بخیل تھا۔ گھبرا کر بول اٹھا کہ پتا جی وہ تو شاید یہ تلاش کر لے۔ اسے وہ گائے دیجئے جو پرار سال مر گئی تھی۔ لکھنؤ پیکٹ (LUCKNOW PACT) نے مسلمانوں کی جان نکالنے کی کوشش کی تھی۔ نہرو رپورٹ نے کھال تک اُدھیڑنے کا تہیہ کیا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ

مسلمان جو اس وقت اس رپورٹ کی تائید میں ہیں' وہ کیا سوچ کر تائید کر رہے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جو کچھ واپس لیا گیا ہے وہ تو ایک یقینی چیز ہے۔ آٹھ ہندو صوبوں میں جو مسلمانوں کو اس وقت حق حاصل تھا۔ اس میں قریباً آدھا حق چھین لیا گیا ہے۔ یعنی کُل ہندو صوبوں میں اس وقت مسلمانوں کو متفقہ اوسط کے لحاظ سے چوبیس فیصدی کے قریب حق نیابت کا حاصل تھا۔ لیکن آئندہ صرف چودہ فیصدی کے قریب رہ جائے گا اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو دیا وہ کچھ گیا ہے جو بالکل وہمی اور خیالی ہے۔

بہت بڑا دھوکا

کہا جاتا ہے کہ یہ حق جو مسلمانوں کو دے دیا گیا ہے کہ آئندہ مسلمان اپنے حق کے علاوہ جس قدر اور نشستوں کے لئے چاہیں گے' ہندوؤں کے مقابلہ پر کھڑے ہو سکیں گے۔ اس سے ان کے لئے راستہ کھول دیا گیا ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے ہیں اور ہندوؤں سے اپنے حق سے زیادہ نشستیں چھین سکتے ہیں۔ یہ خیال بالکل دھوکا ہے۔ اور اس کی تائید میں جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ یا جہالت پر یا کم عقلی پر یا دنیا کی تاریخ سے ناواقفی پر دلالت کرتی ہیں۔

نیابت مطابق آبادی کے دلائل

پہلی دلیل

سب سے پہلی دلیل جو میں اس خیال کے ردّ سے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ خود نہرو کمیٹی کی اپنی شہادت ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں' کہا جاتا ہے کہ محفوظ نشستوں کے طریق کو چھوڑنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنے حق سے زیادہ لے لیں گے۔ نہرو کمیٹی بھی اس دلیل کو صحیح سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا ہے کہ انہیں آزاد مقابلہ کا حق دے کر ان کے لئے ترقی کا راستہ کھول دیا ہے۔ [۴۹] لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اقلیتوں کا کُلّی طور پر اپنے حق سے محروم ہو جانا بالکل ممکن ہے۔ نہرو رپورٹ بیان کرتی ہے۔

"بے قاعدہ کانفرنس کے ریزولیوشن کے پاس ہونے کے بعد یہ بات ہمارے نوٹس میں لائی گئی ہے کہ مسلمان اقلیتوں کو اس سے سخت نقصان پہنچے گا جو کہ زیادہ سے زیادہ تیس یا چالیس ممبر تک مرکزی پارلیمنٹ کے لئے جس کے پانچ سو ممبر ہونگے' بنگال

اور پنجاب سے بھیج سکیں گے اور شاید ایک یا دو یوپی اور بہار سے۔ اور دوسرے صوبوں سے جن میں ان کی آبادی سات فی صدی سے بھی کم ہے' ان کا کسی ممبر کو بھیج سکنا قریباً ناممکن ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان جو چوبیس فیصدی ہیں' انہیں صرف دس فی صدی نیابت مرکزی پارلیمنٹ میں حاصل ہو سکے گی۔ یہی دلیل کہا جاتا ہے کہ ان صوبوں کے متعلق بھی چسپاں ہوتی ہے۔ جن میں کہ مسلمانوں کی اقلیت تھوڑی ہے۔ ہم اس دلیل کی قوت کو تسلیم کرتے ہیں' اور اس امر کو دیکھ کر حالات سے مجبور ہو گئے ہیں کہ عارضی طور پر فرقہ وارانہ عنصر کو ملک کے انتخابی نظام میں داخل کرلیں......... اور مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ استثناء کرتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے لئے نشستیں ان کی آبادی کے تناسب سے مرکزی اور صوبہ جات کی مجالس میں محفوظ کردی جائیں۔"[۵۰]

اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہرو رپورٹ کو یہ امر تسلیم ہے کہ (۱) پنجاب اور بنگال سے مسلمان حد سے حد چالیس ممبر مرکزی پارلیمنٹ میں بھیج سکیں گے۔ (۲) اقلیتیں مخلوط انتخاب میں خطرہ میں ہوتی ہیں۔ اور بالکل ممکن ہے کہ سات فیصدی تک کی اقلیت اپنا ایک نمائندہ بھی نہ بھیج سکے۔

یہ اس رپورٹ کی شہادت ہے جس کی تائید میں اس قدر شور کیا جارہا ہے۔ یہ رپورٹ تسلیم کرتی ہے کہ مخلوط انتخاب کی صورت میں اقلیتیں خطرہ میں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ممکن ہے مدراس' بمبئی' برما اور وسطی صوبہ جات میں مسلمان مرکزی پارلیمنٹ میں ایک نمائندہ بھی نہ بھیج سکیں۔ اور یوپی اور بہار سے جہاں سے آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کے نمائندے بائیس کے قریب جانے چاہئیں وہ صرف دو تین نمائندے منتخب کرنے پر قادر ہو سکیں۔

نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی

میں اس وقت مخلوط انتخاب کی خوبی یا مضرت پر بحث نہیں کر رہا۔ میں صرف اس امر پر بحث کر رہا ہوں کہ آیا نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی تجاویز کے ذریعہ سے جس قدر نمائندگی مسلمان حاصل کرنا چاہتے تھے حاصل ہو گئی ہے یا کم سے کم جس قدر نمائندگی انہیں اس وقت حاصل ہے وہ قائم رکھی گئی ہے۔ اور میں بتانا چاہتا ہوں کہ خود اسی رپورٹ کی بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ

زیادہ نمائندگی کا ملنا تو الگ رہا جو نمائندگی اس وقت مسلمانوں کو حاصل ہے، وہ بھی آئندہ انہیں حاصل نہ ہو سکے گی۔

اس حقیقت کے سمجھنے کیلئے یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس وقت لیجسلیٹو اسمبلی (LEGISLATIVE ASSEMBLY) میں مسلمانوں کو ساڑھے انتیس فی صدی حق نیابت حاصل ہے۔ آئندہ ہندوستانی پارلیمنٹ (PARLIAMENT) کے ممبروں کی تعداد نہرو کمیٹی نے پانچ سو تجویز کی ہے۔ پس آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کو سوا سو نشستیں ملنی چاہئیں اور موجودہ حق جو انہیں حاصل ہے اس کی رو سے ڈیڑھ سو نشستیں ملنی چاہئیں۔ کلکتہ مسلم لیگ کا اصل مطالبہ ایک تہائی کا تھا۔ پس اس کی رو سے ایک سو چھیاسٹھ ممبریاں مسلمانوں کو ملنی چاہئیں اب میں دکھاتا ہوں کہ نہرو کمیٹی کے اندازہ کے مطابق مسلمانوں کو کس قدر ممبریاں ملیں گی۔

نہرو کمیٹی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ پنجاب اور بنگال سے مسلمان تیس اور چالیس کے درمیان نشستیں انتخاب کے ذریعہ سے حاصل کر سکیں گے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ جو بڑے سے بڑا اندازہ اس کا ہے، مسلمان خوش قسمتی سے اسی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور سمجھ لیتے ہیں کہ پنجاب اور بنگال سے مسلمانوں کو چالیس نشستیں حاصل ہو جائیں گی۔ دوسرے مسلمان صوبے سندھ، صوبہ سرحدی اور بلوچستان کے متعلق بھی ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہاں بھی ہندو مسلمانوں سے کوئی سیٹ چھین نہیں سکیں گے اور مسلمان اپنا حق پورا وصول کر لیں گے۔ چونکہ ان تینوں صوبوں کی آبادی اکاسٹھ لاکھ چھبیس ہزار ہے جس میں پانچ فی صدی ہندو ہیں۔ پس کل مسلمان اٹھاون لاکھ باون ہزار ہوئے اور ان کا حق نیابت گیارہ نشستیں ہوا۔ یوپی میں مسلمانوں کی تعداد اکہتر لاکھ ہے۔ بہار میں پینتیس لاکھ، آسام میں پندرہ لاکھ، مدراس میں پچیس لاکھ، وسطی صوبہ میں قریباً پانچ لاکھ، بمبئی میں قریباً بارہ لاکھ۔ (سندھ کے علاوہ) برما کا حال مجھے معلوم نہیں۔ مگر غالباً زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ ہوگی۔ (کیونکہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ چھیالیس ہزار تھی) یہ کُل آبادی ایک کروڑ اڑسٹھ لاکھ ہوتی ہے۔ اور اس پر مسلمانوں کو تینتیس ممبریوں کا حق حاصل ہوتا ہے۔ گویا سب کا مجموعہ چوراسی ممبریاں ہوتی ہیں یہ خیال کر کے کہ انڈمان ۵ کورگ اجمیر مارواڑ وغیرہ کو اس حساب میں شامل نہیں کیا گیا۔ اور بعض جگہ ہزاروں کی تعداد چھوڑ دی گئی ہے۔ تو ہم ایک کروڑ اڑسٹھ لاکھ کی جگہ ایک کروڑ پچھتر لاکھ فرض کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں دو ممبر اور

بڑھ جائیں گے اور چھیاسی مسلمان منتخب ہو جائیں گے۔ یہ اعداد اپنی حقیقت کو خود ظاہر کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کا مطالبہ ایک سو چھیاسٹھ نشستوں کا تھا۔ اس وقت گورنمنٹ نے جو حق دیا ہے اس کی رو سے ڈیڑھ سو نشستیں مسلمانوں کو مل رہی ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے سَوا سَو انہیں ملنی چاہئیں۔ نہرو رپورٹ کا اندازہ ہے کہ ہمارے اصول کے مطابق چھیاسی نشستیں انہیں ملیں گی۔ خود ہی غور کرلو کہ یہ تغیر مسلمانوں کو کہاں سے کہاں لے جائے گا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ نہرو رپورٹ ہندوؤں کی تیار کردہ ہے۔ جو اپنا پورا زور اس امر پر لگا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مطمئن کریں۔ پس جب ان کا یہ اندازہ ہے تو دوسرے اندازے ان کے مقابلہ میں کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمان جن علاقوں میں کم ہیں۔ ان میں اپنے مقرر کردہ حق سے زائد لے لیں گے، کم سے کم نہرو رپورٹ کے لکھنے والوں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

"ان صوبوں میں کہ جہاں مسلمان سات فی صدی سے بھی کم ہیں۔ (بمبئی، مدراس، وسطی صوبہ برما وغیرہ) وہاں اس امر کا کوئی احتمال نہیں کہ ایک مسلمان بھی (مرکزی پارلیمنٹ کیلئے) منتخب ہو سکے۔"[۵۲]

اور یوپی۔ اور بہار میں شاید ایک دو نشستیں حاصل کرلیں۔

اب بھلا کوئی بھی عقلمند اس امر کو تسلیم کر سکتا ہے کہ بمبئی، مدراس، برما اور وسطی صوبہ کے سب کے سب مسلمان تو ایک مسلمان ممبر کا انتخاب بھی اپنے اپنے حلقہ سے نہ کر سکیں۔ لیکن محفوظ نشستوں پر جب ان کے ووٹ ختم ہو جائیں تو پھر وہ ہندوؤں سے بھی ان کا حق چھیننے پر تیار ہو جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کو محفوظ نشستیں انہی علاقوں میں دی جائیں گی جہاں ان کی آبادی زیادہ ہوگی اور ان کے اکثر ووٹ انہی ممبروں کے چننے پر خرچ ہو جائیں گے۔ اور شاید باقی صوبہ میں کُل مسلمان ووٹوں میں سے دس پندرہ فی صدی ووٹ رہ جائیں تو کونسی عقل اس کو باور کر سکتی ہے کہ سب کے سب ووٹ تو اپنا جائز حق بھی لینے پر قادر نہ تھے۔ لیکن بچے کھچے ووٹ ہندوؤں کا بھی جو ترانوے فی صدی ہونگے حق چھین لیں گے۔

پس یہ امر ظاہر ہے کہ جن صوبہ جات میں مسلمان کم ہیں نہرو رپورٹ اندازہ کرتی ہے کہ وہاں مسلمان اپنے حق سے ہرگز زیادہ نیابت حاصل نہیں کر سکتے۔ باقی رہے پنجاب اور بنگال سو اس کا حال وہ خود ہی بتا چکے ہیں کہ تیس چالیس نشستیں مسلمانوں کو ملیں گی حالانکہ آبادی کے لحاظ

سے ان دونوں صوبوں میں مسلمانوں کو چوہتّر نشستیں ملنی چاہئیں۔ خلاصہ یہ کہ نہرو رپورٹ کے اپنے بیان کے مطابق بھی بغیر محفوظ نشستوں کے مسلمانوں کا حق محفوظ نہیں ہے اور دنیا کی کوئی سیاست اس امر کو تسلیم نہ کرے گی کہ آٹھ کروڑ آبادی کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے۔

دوسری دلیل دوسری دلیل محفوظ نشستوں کی تائید میں یہ ہے کہ ہندوستان کی اقلیت اور اکثریت ایسی ہے کہ جس کی بنیاد مذہب پر ہے یورپ میں پارٹیوں کی بنیاد سیاست پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تو روز بروز بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ اس قدر جلد نہیں بدل سکتیں۔ پس اگر ایک قوم حاکم ہوگی تو اس کے بدلنے کا احتمال ہی نہ ہوگا۔ اور خطرہ ہے کہ وہ اپنے لمبے اور مسلسل دور حکومت میں دوسری قوم کو نقصان پہنچا دے۔ مثلاً اس کی اقلیت کو اور بھی کم کر کے دکھائے۔ جیسا کہ یورپ میں ہوتا ہے کہ حکومت میں غالب پارٹی دوسری پارٹی کی تعداد کو مردم شماری میں کم کر کے دکھا دیتی ہے یا انتخاب کے ایسے قاعدے تجویز کر دیتی ہے کہ جن سے اس کی پارٹی کو فائدہ ہوتا ہے اور دوسری پارٹی کو نقصان ہوتا ہے۔ پس ان خطرات سے کمزور پارٹیوں کو بچانے کیلئے ضروری ہے کہ نشستوں کو محفوظ کر دیا جائے تاکہ ایک دوسرے سے خطرہ نہ رہے۔ اور یاد رکھو کہ جب تک دل ایک دوسرے سے خائف رہیں گے ' ملک میں امن نہ ہوگا۔ پس محفوظ نشستوں کا طریق امن کے قیام کا ذریعہ ہے نہ کہ اس کے مخالف۔ جب مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کے اتلاف کا خوف ہے تو کیا وجہ ہے کہ انہیں بنگال اور پنجاب میں بھی محفوظ نشستیں نہ دی جائیں۔ بہرحال وہ ان صوبوں میں اپنا حق مانگتے ہیں اس سے زیادہ تو نہیں مانگتے۔ پس ان کا حق دینے سے انکار کرنا ان کے دلوں میں اور شبہ پیدا کرتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نہرو رپورٹ خود تسلیم کر چکی ہے کہ مخلوط انتخاب سے قوموں کے حق مارے جاتے ہیں۔ اور اس لئے انگلستان کی مثال بھی پیش کی ہے کہ وہاں کنزرویٹو پارٹی (CONSERVATIVE PARTY) تھوڑے ووٹوں سے حاکم ہو گئی۔ اور لیبر پارٹی (LABOUR PARTY) زیادہ ووٹ لیکر بھی شکست کھا گئی۔ یہی سوال مسلمانوں کا ہے کہ دو ہی بڑے صوبے ایسے ہیں۔ جن میں ان کی آبادی زیادہ ہے۔ اگر ان علاقوں میں یہی ہوتا رہا کہ تھوڑے ووٹوں والے جیتتے رہے اور زیادہ ووٹوں والے محکوم رہے تو ان کے لئے مشکل پیش آ جائے گی۔

تیسری دلیل تیسری دلیل پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے محفوظ نشستوں کا حق مقرر کرنے کے بارہ میں یہ ہے کہ ہندوستان کے آٹھ بڑے صوبوں میں سے چھ صوبے ایسے ہیں کہ جن میں ہندو زیادہ ہیں۔ اور لازماً وہاں تہذیب اور تمدن کا رنگ غالب ہو گا۔ ہندوؤں کی زیادتی وہاں ایسی ہے کہ مسلمان کبھی بھی حکومت پر قادر نہیں ہو سکتے۔ دو ہی صوبے ہیں کہ جن میں مسلمان زیادہ ہیں۔ لیکن ان میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی نہیں کہ یہ یقین کیا جائے کہ مسلمان ہی ہمیشہ حاکم ہونگے اور اپنی روایات کے مطابق ترقی کر سکیں گے۔ پس مسلمان چاہتے ہیں کہ ان دو صوبوں میں اس امر کا دروازہ کھلا رہے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق نشوونما پائیں۔ اور اس کی صورت سوائے محفوظ نشستوں کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب نشستیں محفوظ نہ ہوں تو ایک قوم اپنے حق سے زیادہ بھی لے سکتی ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ اپنے حق کو بھی کھو بیٹھے۔ اور جس وقت آبادی کا فرق اس قدر کم ہو جیسا کہ پنجاب اور بنگال میں ہے۔ اور اقلیت ایسی مضبوط ہو جیسے کہ ہندو ہیں تو خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ نہرو رپورٹ والے خود تسلیم کرتے ہیں کہ پنجاب میں مسلمانوں کی اقلیت ہو جانے کا خوف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

> "خواہ کچھ بھی ہو (پنجاب کے) مسلمان اس قدر نشستیں ضرور حاصل کر لیں گے کہ اگر ان کی اکثریت نہ ہو تو کم سے کم ایسی مضبوط اقلیت ضرور ہوگی جو اکثریت سے کچھ ہی کم ہوگی۔"[۵۳]

مسلمان یہی کہتے ہیں کہ صرف دو صوبے ہیں جن میں ہماری اکثریت ہے۔ اور ہم اس خطرہ میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ہماری اکثریت ایسی اقلیت ہو جائے کہ جو اکثریت سے کچھ ہی کم ہو۔

مسلمانوں کے اس قسم کے خیالات کا نہرو رپورٹ میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ:-

> "مسلمان چونکہ سارے ہندوستان کو مدنظر رکھتے ہوئے اقلیت ہیں وہ خوف کرتے ہیں۔ کہ اکثریت انہیں دق نہ کرے اور اس مشکل کو دور کرنے کیلئے انہوں نے ایک عجیب طریق ایجاد کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ کم سے کم بعض حصص ہندوستان میں وہ غالب رہیں۔ ہم اس جگہ ان کے مطالبہ پر تنقید نہیں کرتے۔ اس موجودہ تفرقہ کے زمانہ

میں ممکن ہے کہ مطالبہ کسی قدر جائز ہو۔ لیکن ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ وہ ان اصول سے دور جا پڑا ہے۔ جن پر ہم نے اپنی سکیم کی بنیاد رکھی ہے۔ جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بہترین حفاظت کا ذریعہ یہی ہے کہ ایک شخص خود حاکم بن بیٹھے۔" ۵۴

کیا مسلمانوں کا مطالبہ خلاف انصاف ہے

نہرو کمیٹی کو یہ اعتراض ہے کہ مسلمانوں کے اس مطالبہ کے یہ معنی ہیں کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت بغیر اس کے ہو ہی نہیں سکتی کہ انہیں ہی حاکم بنا دیا جائے۔ اور چونکہ یہ بات ظاہر نظر میں ہی خلاف انصاف نظر آتی ہے۔ اس لئے گویا نہرو کمیٹی نے نتیجہ کو ایک ہی بات میں محصور کر کے مسلمانوں کے مطالبہ کو خلافِ انصاف ثابت کیا ہے۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں نہرو کمیٹی نے مسلمانوں کے مطالبہ کے ایسے معنی لئے ہیں جو کم سے کم ان کے سمجھدار طبقہ کے ذہن میں نہیں ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ شملہ اتحاد کانفرنس کے موقع پر بھی ایک ہندو ڈیلیگیٹ (DELEGATE) نے جنہیں ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب کہہ کر پکارا جاتا تھا' اور شاید اگر میں غلطی نہیں کرتا تو وہ ڈاکٹر نند لعل صاحب بیرسٹر تھے' یہ ذکر کیا تھا کہ یہ کیا تجویز ہوئی کہ سی۔ پی میں ایک مسلمان کو کوئی ہندو مارے اور پنجاب کا ایک مسلمان آکر اس کے بدلے میں میرے منہ پر تھپڑ رسید کر دے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں یہ مفہوم مسلمانوں کے دل میں اس تجویز کا کبھی نہ تھا۔ قومی جرائم کی سزا میں باقی افراد قوم خواہ وہ جرم میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ یقیناً شریک ہوتے ہیں لیکن اس طرح بِلاحد بندی سزائیں دینا یا بدلے لینا خلاف عقل و انصاف ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر بعض مسلمان ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھ کر ہندو صاحبان سے یہ کہیں کہ:۔

"آپ بھی ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں اور ہم بھی آزادی چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ بغیر ہماری مدد کے آپ کو یہ آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے آپ کے تعلقات ایک لمبے عرصہ سے اچھے نہیں ہیں۔ ہمیں شکایت ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں ہمارے حقوق تلف کر دئے گئے ہیں۔ پس اس کا علاج یہ کیوں نہ کریں کہ چونکہ ہندوستان ایک براعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے اندر کئی ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے بعض ایک دوسرے سے اس

قدر مختلف ہیں کہ یورپ کی آزاد حکومتوں کی زبانیں بھی اس قدر مختلف نہیں۔ اور چونکہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں آپ زیادہ ہیں اور بعض میں ہم۔ ہم اس امر پر راضی ہو جائیں کہ جس علاقہ میں کوئی قوم زیادہ ہے' اسے غالب عنصر حکومت میں مل جائے۔ اس طرح ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو جائے گا۔ ہراک قوم کہے گی کہ جب دوسری قوم نے مجھ پر اعتماد کیا ہے تو کیوں میں اس پر اعتبار نہ کروں۔ اور ٹھنڈے دل سے سب ہندوستان کی ترقی میں لگ جائیں۔"

تو اس میں کونسی بات خلافِ عقل یا خلافِ انصاف ہے۔ اس تجویز کے یہ معنی کیوں کئے جائیں کہ سی۔ پی میں اگر کوئی ہندو مسلمان کو مارے گا تو پنجاب کا مسلمان پنجاب کے ہندو کو مارے گا۔ یا اس کے الٹ ہو گا۔ اور اس طرح ڈر کر انصاف قائم ہو جائے گا۔ اصل مطالبہ کی غرض تو یہ ہے کہ ہندو ہر جگہ مسلمان کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا ہے جہاں وہ عقلاً ماتحت نہیں رکھ سکتا۔ وہاں وہ ایسی تجویز کرتا ہے کہ اس کے غالب آنے کے لئے راستہ کھلا رہے۔ مسلمان کے دل میں قدرتاً اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حکومت کا طریق یہ ہو گا کہ ہندوستان صوبوں میں تقسیم کیا جائے گا تو کیوں مجھے بھی ان صوبوں میں آزاد نشوونما کا موقع نہیں دیا جاتا۔ جن میں کہ میری قوم زیادہ ہے۔ اور یہ شبہ اسے کسی نہ کسی مخفی سبب کی طرف توجہ دلاتا ہے اور گو یہ شبہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر صلح کے راستہ میں ضرور روک ہوتا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت میں فرق

اس موقع پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے صرف اسلامی اکثریت والے صوبوں میں تو ہر قوم کے لئے ترقی کا راستہ کھلا نہیں رکھا بلکہ ہم نے تو ہر صوبہ میں یہ راستہ کھلا رکھا ہے کہ اکثریت پر اقلیت غالب آ سکے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا بنگال اور پنجاب کے سوا جن میں اسلامی اکثریت ہے۔ کوئی اور بڑا صوبہ ہے۔ جس میں معقول طور پر یہ امید کی جاسکے کہ اقلیت اور اکثریت عام طور پر آپس میں جگہ بدلتی رہے گی؟ اگر نہیں تو دونوں مثالوں میں مشابہت کیا ہوئی۔ پنجاب اور بنگال میں اقلیت ایسی طاقتور ہے کہ اگر وہ اپنے علم مال اور انتظام کی زیادتی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حکومت پر قائم نہ ہو تو کم سے کم وہ اکثریت کے ساتھ اپنی جگہ کا تبادلہ ضرور کرتی رہے گی۔ لیکن مدراس' بمبئی' سی۔ پی' یو۔ پی' بہار اور برما میں مسلمانوں کی اقلیت جو کہیں بھی پندرہ فیصدی سے زیادہ نہیں ہمیشہ ہی اقلیت رہے گی۔ اور حکومت میں اسے کبھی

بھی دخل حاصل نہ ہو گا۔ پس برابری تبھی ہوتی ہے کہ پنجاب اور بنگال میں نشستیں محفوظ ہوں۔ اور اس طرح مسلمانوں کو بھی کہا جاسکے کہ جس طرح ہندوؤں نے تم پر ان صوبوں میں اعتبار کیا ہے، تم بھی دوسرے صوبوں میں ان پر اعتبار کرو۔ اور دل سے ہر ایک قسم کے شکوک کو نکال دو۔

نہرو کمیٹی اس غالبیت کے اصول پر خاص زور دیتی ہے وہ لکھتی ہے کہ:۔

"ہم ایک قوم کا دوسری پر دائمی طور پر تسلط نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اس امر کو کلّی طور پر روک نہیں سکتے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ ایک قوم کو دوسری پر تسلّط کا موقع نہ دے دیا جائے۔ بلکہ ہر ایک فرد یا قوم کو اس سے روکا جائے کہ وہ دوسرے فرد یا دوسری قوم کو تکلیف دے۔ اور اس سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔" ۵۵

مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس نے اس تسلّط کو روک دیا ہے۔ مدراس بہار وغیرہ میں نہرو رپورٹ خود تسلیم کرتی ہے کہ ہندوؤں کو غلبہ رہے گا۔ اور مسلمانوں کی اقلیت وہاں "ناقابلِ التفات" ہے۔ اور اس میں لکھا ہے کہ:۔

"یہ بات ہر ایک سمجھ لے گا کہ مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ رعایت کر کے (یعنی بہار، یو۔ پی، مدراس وغیرہ میں نشستیں محفوظ کر کے) ہم وہ نقائص پیدا نہیں کر رہے جو اکثریت کے لئے محفوظ نشستوں کا قاعدہ جاری کرنے کی صورت میں پیدا ہوتے تھے۔ کیونکہ ایک اقلیت (یعنی اس قسم کی چھوٹی اقلیت) بہر حال اقلیت ہی رہے گی۔ خواہ اس کے لئے بعض نشستیں محفوظ کر دی گئی ہوں۔ یا نہ کی گئی ہوں۔ اور کسی صورت میں بھی اکثریت پر غالب نہیں آسکتی۔" ۵۶

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ نہرو کمیٹی کے نزدیک بمبئی، مدراس، یو۔ پی وغیرہ صوبہ جات میں مسلمان ہمیشہ اقلیت ہی کی صورت میں رہیں گے۔ جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان صوبوں میں ہمیشہ حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے گی اور اسی کا نام انہوں نے تسلّط رکھا ہے۔ پس جب کہ اس قسم کا تسلط دوسرے صوبوں میں ہو گا اور اس سے کوئی نقص واقع نہ ہو گا، تو کیا وجہ ہے کہ ویسی ہی حالت پنجاب اور بنگال میں نہ پیدا کر دی جائے اگر ہمیشہ ایک قوم کا نیابت میں زیادہ ہونا بُرا ہے۔ تو وہ سب جگہ بُرا ہے۔ اور اگر اس کی بمبئی اور مدراس میں برداشت کی

جا سکتی ہے تو یقیناً پنجاب اور بنگال میں بھی برداشت کی جا سکتی ہے۔

مسلمانوں کا مطالبہ سمجھنے میں غلطی

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے مطالبہ کے سمجھنے میں نہرو کمیٹی نے ایک اور سخت غلطی کھائی ہے اور وہ فرقہ وارانہ جذبات میں خود ایسے مبتلا رہے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کے مطالبہ کو بھی اسی رنگ میں دیکھا ہے وہ غلطی یہ ہے کہ نہرو کمیٹی نے یہ سمجھا ہے کہ مسلمانوں کا گویا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اکیلے ہی پنجاب اور بنگال میں حکومت کریں۔ یہ مسلمانوں کا مطالبہ نہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح ہندوستان کے بعض دوسرے صوبوں میں جہاں ہندو زیادہ ہیں آئینی مجالس میں نیابت لازماً ہندوؤں کی زیادہ رہے گی اس طرح پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں' نیابت کی زیادتی مسلمانوں کو حاصل ہونی چاہئے۔ اور چونکہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت اس قدر نہیں کہ وہ بغیر کسی خاص قانون کے اپنی اکثریت کو قائم رکھ سکیں' اس لئے یہ قانون نافذ کر دیا جائے کہ یہ حق ان کا دوسرے جائز یا ناجائز ذرائع سے توڑ نہیں دیا جائے گا۔

ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس میں تسلّط کا سوال نہیں ہے۔ تسلّط کا سوال تب ہوتا اگر مسلمان یہ مطالبہ کرتے کہ ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کی حکومت ہو۔ اور مسلمان اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت ہو۔ لیکن ان کا مطالبہ تو یہ ہے کہ ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کی نیابت جس طرح ہمیشہ زیادہ رہے گی۔ اسی طرح مسلمان اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نیابت زیادہ رہے۔ اور نیابت کی زیادتی کے یہ معنی نہیں کہ حکومت بھی خالص طور پر ان کے ہاتھ میں رہے۔ اسی وقت دیکھ لو کہ جُداگانہ انتخاب کی موجودگی میں جس کے ذمہ دنیا کے سب عیب لگائے جاتے ہیں' پنجاب میں خالص اسلامی پارٹی کوئی نہیں ہے۔ ایک زمیندار پارٹی ہے جس میں مسلمان اور ہندو شامل ہیں۔ اور ایک خلافتی پارٹی ہے جو سَوراجیوں سے ملکر کام کرتی ہے۔ پس پنجاب اور بنگال میں صرف چھ فیصدی مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہندو بآسانی حکومت میں ایک بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان اور ہندو آپس میں ملیں گے کیونکر۔ جب کہ مذہبی نیابت کو جاری رکھا جائے گا' کیونکہ مذہب سیاست کا نام نہیں۔ مذہب کا تعلق تمدن اور تہذیب سے ہے۔ سیاسی معاملات میں مختلف مذاہب کے لوگ خود مل جاتے ہیں۔ اگر اس وقت ایسے شدید اختلاف کے باوجود مل

جاتے ہیں تو آئندہ کیوں نہ ملیں گے۔ کونسی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ مسلمان سب کے سب سیاست میں ایک خیال کے رہیں گے۔ اور اگر وہ ایک خیال کے نہیں رہیں گے تو پارٹیوں کے بننے پر یقیناً کوئی خالص اسلامی پارٹی پنجاب اور بنگال میں حکومت نہیں کر سکے گی۔ بلکہ حکومت کیلئے ہندو عنصر کی شمولیت ضروری ہوگی۔ پس ڈومینیشن (DOMINATION) کا سوال ہرگز یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور نہرو کمیٹی نے فرقہ وارانہ خیالات سے شدید تاثر کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف وہ بات منسوب کر دی ہے۔ جو ان کے مطالبہ میں شامل نہیں بلکہ خود نہرو کمیٹی کے ممبروں کے دماغ سے نکلی ہے۔ حق یہ ہے کہ تسلّط تو ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہو سکتا ہے اور ہوگا۔ کیونکہ وہاں اکثریت اس قدر زیادہ ہے کہ ہندوؤں کی کئی پارٹیاں ہو کر بھی غالب گمان ہے کہ کوئی خالص ہندو پارٹی ہی حکومت کیا کرے گی۔ ہاں صوبہ سرحدی اور سندھ وغیرہ میں مسلمانوں کو بھی یہ موقع حاصل ہوگا مگر وہ صوبے بالکل چھوٹے ہیں اور ہندوستان کے عام معاملات پر کوئی زیادہ اثر نہیں ڈال سکتے۔

چوتھی دلیل اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کا نیابت کی اکثریت پر زور دینا اور بہت سے معقول دلائل سے بھی ضروری ثابت ہوتا ہے۔ میں یہ تو ثابت کر چکا ہوں کہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اس قدر اکثریت نہیں کہ اس کے حقوق محفوظ ہو جانے پر بھی وہ اکیلے حکومت کر سکیں۔ بلکہ ان دونوں صوبوں میں یقیناً ایسی پارٹیاں حکومت کریں گی جن میں ایک حد تک ہندو عنصر شامل ہوگا۔ مگر باوجود اس کے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ چونکہ مسلمانوں کو نیابت میں کثرت حاصل ہوگی' جو حکومت بھی ان صوبوں میں قائم ہوگی اس میں ایک کافی حصہ اسلامی عنصر کا ہوگا۔ جسے ان صوبوں کی آئندہ حکومت کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کر سکے گی۔ اس امر کی وضاحت کے بعد اب یہ سوچنا چاہئے کہ فرقہ وارانہ خیالات کو جانے دو' قومی نقطہ نگاہ سے کیا یہ بات ملک کے لئے مفید ہو سکتی ہے کہ ملک کے اداری (ADMINISTRATIVE) حصہ میں مسلمانوں کی آواز بالکل نہ ہو یا ایسی کم ہو کہ نہ ہونے کے برابر ہو۔ کونسا سیاست کا طالبعلم نہیں جانتا کہ عمدہ حکومت، عمدہ قانونوں پر ہی نہیں چلتی بلکہ قوانین کے اچھے استعمال کی بھی ویسی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان جس کی حکومت صوبوں میں تقسیم ہوگی۔ جس طرح اس کے لئے ایک مرکزی مجلس قوانین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح اس کے لئے یہ بھی

ضروری ہوگا کہ اس کی صوبہ جات کی حکومتیں اداری ضرورتوں کیلئے وقتاً فوقتاً مشورے کیا کریں۔ نہرو کمیٹی کے رو سے بالکل ممکن ہے کہ کسی وقت پنجاب و بنگال میں مسلمان ہی حاکم ہوں اور کسی وقت ہندو ہی حاکم ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ جس وقت ہندو ہی حاکم ہونگے۔ اس وقت اگزیکٹو (EXECUTIVE) کے مشوروں میں مسلمانوں کی آواز کیا ہوگی۔ یقیناً کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کہ سرحد اور سندھ کے چھوٹے چھوٹے صوبے اس ضرورت کو پورا کر سکیں گے پس قومی نقطہ نگاہ سے بھی یہ ضروری ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کے لئے ایسا قانون بنایا جائے کہ یہاں کی ہر حکومت میں اسلامی عنصر موجود رہے۔ اور اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کا حق نیابت محفوظ کر دیا جائے۔

پانچویں دلیل میں اس اہم معاملہ کے متعلق ایک اور دلیل بھی دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نہرو کمیٹی نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ہر قوم کی تہذیب جُداگانہ ہوتی ہے۔ اور ہر قوم اپنی روایات کے مطابق ترقی کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ اور باوجود ایک ملک میں رہنے اور ایک سیاست میں پروئے جانے کے پھر آپس میں تہذیب کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے۔ نہرو رپورٹ میں لکھا ہے۔

"حفاظت کا احساس پیدا کرنے کے ذرائع صرف یہ ہیں کہ حفاظتی تدابیر اور کفالتوں کے ساتھ بہ حدِ ممکن کسی قوم کو تہذیبی آزادی عطا کی جائے۔"۵۷

پس معلوم ہوا کہ نہرو کمیٹی کو تسلیم ہے کہ مختلف اقوام کی تہذیب جُداگانہ ہوتی ہے۔ اور اس کی حفاظت کا مطالبہ غیر معقول نہیں۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو علاوہ اطمینان اور اعتبار کی صورت پیدا کرنے کے اداری محکموں میں اپنی آواز کی نیابت کے حصول کے علاوہ صوبہ جات میں اپنی تعداد کے مطابق نیابت کے حصول کی خواہش کے یہ بھی خواہش ہے کہ ان دو صوبوں میں جن میں ان کی اکثریت ہے' وہ اسلامی روایات کے مطابق اپنی مخصوص تہذیب کو نشوونما دیں۔ مجھے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہر قوم جب ترقی کرتی ہے تو چند اصولی مسائل پر اس کی تہذیب کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور وہ اپنی روایات اور ترقی کی راہوں میں دوسری اقوام سے ایک جُداگانہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسے انگریزی میں کلچر (CULTURE) کہتے ہیں۔ اور اردو میں تہذیب ہی کہہ سکتے ہیں۔ گو تہذیب کا لفظ اس جگہ سویلزیشن (CIVILIZATION) سے کسی قدر جُداگانہ معنوں میں استعمال ہوگا۔ یہ کلچر

قوموں کو سیاسی آزادی سے بھی زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔ اور جس قدر وہ اس کی حفاظت کے لئے لڑتی ہیں' اتنی سیاسیات کے لئے بھی نہیں لڑتیں۔ یہ کلچر ایک ہیولی کی سی چیز ہے اسے مادی اشیاء کی طرح معیّن بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر قوم اپنے مذہب کے سبب سے یا اپنے گردو پیش کے حالات کے سبب سے ایک خاص قسم کا دماغی میلان پیدا کر لیتی ہے۔ اور اس کی تمام ترقی اسی لائن پر ہوتی ہے اس کا فلسفہ اس کا تمدن' اس کی علمی ترقی' اس کی اقتصادی ترقی اسی دائرہ میں چکر کھاتی ہوئی اپنے وجود کو نمایاں کرتی چلی جاتی ہے۔ گویا وہ ذہنی زمین ہے۔ جس پر اُگنے والا ہر علم پودوں کی طرح ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جس طرح مختلف زمینوں میں مختلف پھل پھول ایک امتیازی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف کلچرز کے ماتحت نشوونما پانیوالے ایک خاص رنگ اور ادا پیدا کر لیتے ہیں۔ اور قوموں کو اپنے کلچر سے ایک ایسی طبعی مناسبت ہو جاتی ہے کہ اس سے باہر جا کر وہ اسی طرح مُرجھا جاتی ہیں جس طرح کہ ایک خاص ملک کا درخت دوسرے ملک کی زمین میں لگایا جاکر۔ تمام علوم ایک ہی ہیں لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں اور روسیوں اور جرمنوں کو دیکھو۔ ان میں سے ہر ایک ان کی طرف ایک خاص امتیازی رنگ میں متوجہ ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں کو بھی سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ انگریزوں نے مغربیت سے ہمارے مشرقی اخلاق کو رنگ کر ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ غرض یہ تہذیب مذہب کے بعد ہر اک شے سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کلچر ہر قوم کے جسم کے لئے زندگی کے سانس کا کام دیتی ہے۔ جس قوم کا کوئی مخصوص کلچر نہیں اس کی کوئی زندگی ہی نہیں۔ وہ آج نہیں تو کل دوسری اقوام میں جذب ہو کر اپنے وجود کو کھو بیٹھے گی' کیونکہ وہ مفید وجود نہیں۔ جس طرح مختلف لیبارٹریز میں بیٹھے مختلف سائنس دان اپنے اپنے رنگ میں علوم کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف اقوام اپنی کلچر کے دائرہ میں انسانی حیات کے فلسفہ کے تجربے کر کے دنیا کو نفع پہنچاتے ہوئے۔ اور اس کے نقطہ نگاہ کو پورا کرتے ہوئے اپنی کلچر کو بھی ترقی دے رہی ہیں۔ جو قوم اس مشترک خزانہ کے بڑھانے میں حصہ نہیں لیتی' وہ اخلاقاً تو مُردہ ہی ہوتی ہے مادی طور پر بھی آخر مر کر ہی رہتی ہے۔

ہندو صاحبان کو جو آج حکومت کا خیال ہے وہ بھی تو اسی کلچر کی وجہ سے ہے "اچھی حکومت اپنی حکومت کا قائم مقام نہیں ہو سکتی۔" کا مقولہ بھی درحقیقت اسی صداقت پر مشتمل

ہے۔ کیونکہ اچھی حکومت مال اور آرام کو تو بڑھا دے گی، مگر وہ کسی قوم کی کلچر کو نہیں بڑھا سکتی، بلکہ اسے تباہ کر دے گی۔ کلچر کی ترقی کا موجب صرف اپنی حکومت ہی ہوتی ہے۔ پس جس طرح ہندو صاحبان اپنی پرانی تاریخ کو پڑھ کر بے چین ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زمانہ حال کی مناسبت میں وہ اپنی مخصوص کلچر کو نشوونما دیں اور دنیا کے تمدن اور تہذیب میں زیادتی کا موجب ہوں۔ اسی طرح وہ سمجھ لیں کہ مسلمانوں کا دل بھی ہے۔ وہ بھی ایک شاندار روایت رکھتے ہیں۔ وہ بھی ایسے آباء کی اولاد ہیں جن میں اقدام کا مادہ انتہا درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ ان کی بھی امنگیں ہیں وہ ہندوستان سے علیحدہ نہیں وہ ہندوستانی ہیں۔ اور کسی سے کم ہندوستانی نہیں لیکن اس میں کیا شک ہے کہ جہاں ہندو عنصر زیادہ ہو گا وہاں حکومت ہندو کلچر اور ہندو فلسفہ پر نشوونما پائے گی۔ پس وہ بھی چاہتے ہیں کہ بعض صوبوں میں جن میں وہ زیادہ ہیں، انہیں بھی اس امر کا موقع ملے کہ وہ اسلامی کلچر اور تہذیب کے مطابق نشوونما پائیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اسلام کے احکام کو وہ جاری کریں۔ ایسی مخلوط حکومتوں میں اپنے مذہب کے احکام جاری کرنا درست نہیں نہ ہندوؤں کے لئے نہ مسلمانوں کیلئے۔ مگر اس کے علاوہ زندگی کے ہزاروں شعبے ہیں جن میں قطع نظر مذہب کے انسان اپنے مخصوص قومی فلسفہ کے مطابق ترقی کرنی چاہتا ہے۔ اور دنیوی ترقی کے متعلق جو اس کی قوم کی سکیم ہوتی ہے، اس کی پنیری لگاتا ہے اور پھر اس سے باغ تیار کرتا ہے۔ پس اس چیز کی جائز امنگ اور خواہش مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی دو بڑے صوبوں میں ایسا موقع پائیں کہ ایک عرصہ تک بلاوقفہ کے وہ اپنے مخصوص قومی اصول پر ترقی کرنے کی راہ پا سکیں۔ کیا یہ مطالبہ ناجائز ہے۔ کیا یہ خواہش غیر طبعی ہے۔ یا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ آرزو قومیت کی روح کے منافی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آزاد کلچر متحدہ قومیت کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاتی۔ جس طرح ہندوستان کی ڈومینین (DOMINION) حکومتِ انگلستان کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ باوجود اس کے کہ وہ ایشیائی کلچر کے نشوونما دینے میں ایک بہت بڑی لیبارٹری (LABORATORY) ثابت ہو گی۔ افسوس ہے کہ نہرو رپورٹ خواہ اور کچھ بھی ہو، مسلمانوں کی اس خواہش کا علاج مہیا نہیں کرتی۔ وہ خواہ اس کا دروازہ کھولتی ہے کہ کبھی مسلمان پنجاب اور بنگال میں ہندوؤں پر بالکل غالب آ جائیں مگر اس کا انتظام نہیں کرتی کہ انہیں ایک عرصہ تک اس امر کا موقع ملے کہ اپنی روایات کے مطابق عمل کر کے دنیا کی تہذیب کے مجموعی خزانہ میں اپنا حصہ بھی شامل کر سکیں۔ کیونکہ کلچر بغیر متواتر موقع پانے

کے اپنے آثار ظاہر نہیں کرتی اور نہرو سکیم کے ماتحت پنجاب اور بنگال میں ایسے مواقع آ سکتے ہیں کہ اسلامی عنصر حکومت سے نکل ہی جائے۔

چھٹی دلیل پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے حق کے بقدر آبادی محفوظ رہنے کے حق میں یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ہر قوم کی ترقی کے لئے اس کے افراد کا تمام کاموں سے واقف ہونا بھی ضروری ہے یہ ظاہر ہے کہ ہندو صوبوں میں مسلمانوں کی اعلیٰ سیاسی عہدوں کے لئے تربیت نہیں ہو سکتی۔ ان کے لئے پنجاب اور بنگال ہی رہ جائیں گے کہ یہی دو اہم صوبے مسلمانوں کی اکثریت کے ہیں۔ اگر ان میں بھی ایسی حکومت آتی رہی جو خالص ہندو ہو۔ یا اس میں مسلمانوں کا عنصر بہت کم ہو تو مسلمان کیلئے ان اعلیٰ کاموں کے لئے تربیت کا دروازہ بالکل ہی بند ہو جائے گا۔ جس سے انہیں سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے صوبہ سرحدی اور سندھ اور بلوچستان کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بلوچستان کی آبادی تو سوا چار لاکھ ہے اور گویا ایک میونسپل کمیٹی کے برابر کی حیثیت ہے۔ صوبہ سرحدی اور سندھ بھی آبادی کے لحاظ سے اور مالی طور پر نہایت کمزور ہیں۔ پس ان صوبوں میں اس پیمانہ پر حکومت کو وسعت حاصل نہ ہوگی۔ جو بڑے صوبوں میں اور مختلف لیاقتوں کے اپنی قدر کے مطابق نشوونما پانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو کم سے کم اس قدر عرصہ تک کہ وہ اپنی گذشتہ کمزوری پوری کر لیں۔ متواتر تربیت کا موقع دیا جائے۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں ان کے حقوق محفوظ ہوں۔ اگر یہ انتظام نہ ہوا تو مسلمان کبھی بھی حکومت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہونگے اور ملک کے لئے قوت بننے کی بجائے اس پر ایک بار بن جائیں گے۔

محفوظ حقوق کے خلاف نہرو رپورٹ کے دلائل

ان دلائل کے بیان کرنے کے بعد جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق پنجاب اور بنگال میں بھی ویسے ہی محفوظ ہونے چاہئیں جیسے کہ ان صوبوں میں جن میں مسلمان بہت کم ہیں۔ ہندوؤں کے حقوق بوجہ ان کی عظیم الشان اکثریت کے محفوظ ہونگے۔ اب میں نہرو رپورٹ کے ان دلائل کو توڑتا ہوں جو محفوظ حقوق کے خلاف دئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ میجارٹی کے حقوق کی حفاظت اور نشستوں کے محفوظ کر دینے سے فرقہ وارانہ منافرت

ترقی کرتی ہے۔ کیونکہ انتخابی نقطہ نگاہ ایک غیر حقیقی سوال ہوتا ہے۔ (یعنی مذہب کا اختلاف)

۲۔ مخلوط انتخاب کے ساتھ اگر اکثریت کی نشستوں کو محفوظ کر دیا جائے تو اتفاق کا پیدا ہونا مشکل ہے کیونکہ اکثریت کو یقین ہو جائے گا کہ وہ اقلیت کے ووٹوں کی محتاج نہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں کرے گی۔

۳۔ حکومت مسئولی ((RESPONSIBLE GOVERNMENT) اسے کہتے ہیں جس میں حکومت تنفیذی ایگزیکٹو (EXECUTIVE) مجلس واضع قوانین کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ اور مجلس واضع قوانین جماعت منتخبین (ELECTORATE) کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے اگر حکومت تنفیذی کے کُل ممبر جن کی پشت پر اکثریت ہو محفوظ حقوق کی وجہ سے بااختیار ہوئے ہوں۔ نہ کہ منتخبین کے بے قید انتخاب کے ماتحت۔ تو اس صورت میں نہ تو جمہور کی نیابت حاصل ہوئی اور نہ کوئی مسئول حکومت قائم ہوئی۔

۴۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آبادی اس طرح تقسیم شدہ ہے کہ محفوظ نشستوں کی انہیں ضرورت نہیں۔ وہ اپنی تعداد کے مطابق اپنے حقوق اچھی طرح حاصل کر سکتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ۔

اس کے ساتھ ہی میں اس دلیل کو بھی شامل کر لیتا ہوں جو ہمارے صوبہ کے ایک قابلِ قدر ممبر کونسل نے دی ہے اور وہ یہ ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں باوجود اس کے کہ مسلمان ووٹر کم تھے وہ بہت زیادہ ممبریاں لے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو آزاد مقابلہ میں زیادہ فائدہ رہے گا۔

نہرو کمیٹی کی پہلی دلیل کا ردّ

کمیٹی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ محفوظ نشستوں میں انتخابی نقطہ ایک غیر حقیقی سوال یعنی مذہب ہوتا ہے' اس لئے فرقہ وارانہ منافرت بڑھتی ہے میں اس دلیل کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جس جگہ نشست ایک خاص قوم کے لئے محفوظ ہوگی' وہاں انتخاب کا مرکز قومی سوال کیونکر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں تو قومی سوال پہلے ہی حل ہو چکا ہوگا۔ قانون فیصلہ کر چکا ہوگا کہ فلاں جگہ سے مسلمان ممبر ہی کھڑا ہو سکتا ہے۔ پس یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ممبر ایسے حلقہ سے کھڑا ہو کر یہ کہے کہ مجھے ووٹ دو کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ سوال تو غیر محفوظ نشستوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے حلقوں میں ممکن ہے کہ ایک ہندو امیدوار ہو اور ایک مسلمان۔

اور ہندو اپنی قوم کو یہ کہے کہ میں ہندو ہوں' مجھے ووٹ دو۔ اور مسلمان کہے کہ میں مسلمان ہوں مجھے ووٹ دو۔ لیکن جس جگہ قانون مذہب کا فیصلہ کرچکا ہو' وہاں تو یہ سوال اٹھ ہی نہیں سکتا۔ وہاں تو سوال یا فرقہ کا اٹھ سکتا ہے کہ امیدوار سنی ہے یا شیعہ یا پھر سیاسی نقطہ نگاہ کا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مختلف امیدواروں کے سیاسی خیالات کیا ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ محفوظ نشست کی صورت میں اسی سوال کو انتخاب میں اہمیت حاصل ہوگی۔ اور اگر بجائے جُداگانہ انتخاب کے مخلوط انتخاب ہو تو اس صورت میں اور بھی یقین ہو جاتا ہے کہ سوائے سیاسی سوال کے کوئی اور سوال نہ اٹھے گا کیونکہ مختلف ممبروں کو ہندوؤں کے ووٹوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ پس وہ مجبور ہونگے کہ مذہبی سوال کو درمیان میں نہ آنے دیں تاکہ ان کا مدمقابل دوسری قوموں کے ووٹوں سے فتح نہ لے۔

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ انتخابوں میں ایک ہی امیدوار نہیں ہوا کرتا' بلکہ کئی امیدوار ہوتے ہیں۔ پس یہ خیال کرنا کہ جو کھڑا ہوگا' وہ اسلامی امیدوار ہونے کی صورت میں کھڑا ہوگا اور اس طرح قومی منافرت بڑھے گی' درست نہیں۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں کئی امیدوار کھڑے ہو کر سب یہی دعویٰ نہیں کرسکتے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس لئے انہیں ووٹ دیا جائے۔ انہیں دوسرے امور پیش کرنے ہونگے اور وہ سیاسی ہونگے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ممکن ہے کہ کوئی امیدوار بھی ایسا نہ ہو۔ جو ہندو نقطہ نگاہ کے ساتھ متفق ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ ایک شخص بھی مسلمانوں میں سے ایسا نہ ہوگا۔ جو سیاسی خیالات میں وہاں کے ہندوؤں سے متفق ہو تو یہ کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ وہاں سے اگر ہندو کھڑا ہو تو اسے مسلمان جائز طور پر ووٹ دے دیں گے۔ میں نے جائز کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ ووٹنگ مخفی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ ناجائز ذرائع سے مسلمانوں سے ووٹ لے لئے جائیں اور وہ قومی غداری کرنے پر اس لئے تیار ہو جائیں کہ ان کا راز فاش نہ ہوگا۔ لیکن ایسے ووٹوں سے چُنا ہوا شخص ملک کا نمائندہ نہیں ہوگا' بلکہ ہوا و ہوس کا نمائندہ ہوگا۔

دوسری دلیل کا رد

ا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اکثریت کی نشستیں محفوظ کردی جائیں تو منافرت قومی دور نہ ہوگی۔ کیونکہ اکثریت اقلیت کی محتاج نہیں رہے گی۔

اس کا ایک تو یہ جواب ہے کہ اسی حالت کو ایک اور نگاہ سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور وہ

یہ کہ اس طرح قوموں کا خوف چونکہ دور ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرے سے حق تلفی کا خطرہ جاتا رہے گا اس لئے تعلقات زیادہ درست ہو جائیں گے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ووٹوں کی محتاج قوم نہیں ہوا کرتی بلکہ افراد ہوتے ہیں۔ کسی جگہ کی ممبری کے لئے زید اور بکر جو دو شخص کھڑے ہونگے' ان کو اس بات سے کوئی اطمینان حاصل نہیں ہو تا کہ گورنمنٹ نے مسلمان کے لئے سیٹ محفوظ کر دی ہے۔ گورنمنٹ مسلمان کے لئے سیٹ محفوظ کرے گی نہ کہ کسی شخص کیلئے۔ پس ہر امیدوار اپنی تائید کے لئے ایک ایک ووٹ کا محتاج ہو گا۔ اور لازماً اپنے حریف پر برتری حاصل کرنے کیلئے ہر اک ممبر کی مدد حاصل کرنیکی کوشش کرے گا۔ پس یہ دعویٰ بھی بالکل باطل ہے۔ کہ محفوظ نشستوں کی وجہ سے اکثریت اقلیت کی محتاج نہ رہے گی۔ احتیاج امیدوارں کو ہوتی ہے نہ کہ قوم کو اور ان کی احتیاج ہر صورت میں قائم رہے گی۔ اور ان کی احتیاج کے ساتھ ان کے ہمدردوں کو بھی احتیاج ہوگی۔ اور اس طرح بالواسطہ طور پر ساری اکثریت ہی کسی نہ کسی امیدوار کی کامیابی کی خاطر اقلیت کی محتاج ہو جائے گی۔ پس محفوظ نشستیں منافرت قومی کے دور کرنے کے راستہ میں ہرگز روک نہیں ہیں۔

تیسری دلیل کا رڈ

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر محفوظ نشستیں کر دی جائیں تو رسپانسیبل گورنمنٹ (RESPONSIBLE GOVERNMENT) کا اصول باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم منتخب کرنیوالی جماعتوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا نمائندہ فلاں دائرہ سے چُنیں اور اس کے باہر نہ جائیں۔ تو گویا اکثریت بوجہ ایک قانونی حد بندی کے حکومت کرتی ہے نہ کہ آزاد انتخاب کی وجہ سے۔ اور اگر یہ بات حاصل ہوئی تو نیابتی حکومت کی اصل غرض ہی فوت ہو گئی۔

میرے نزدیک یہ سوال سیاسی طور پر بہت اہم ہے۔ اگر نتیجہ وہی پیدا ہوتا ہو جو کمیشن نے نکالا ہے تو یقیناً یہ بحث یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک نتیجہ نکالنے میں کمیشن نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ اول تو وہی سوال ہے کہ کیا جس خیال کی نمائندگی ایک ہندو کر سکتا تھا اسی خیال کی نمائندگی کرنے والا کوئی مسلمان نہیں مل سکتا۔ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہیئت انتخابی اس خیال کے مخالف ہے۔ اور اگر انتخاب کرنے والے ایک خیال کے مخالف ہیں تو ہندو کے کھڑا ہونے سے نیابت زیادہ کس طرح ہو جائے گی جب تک کہ ناجائز وسائل استعمال نہ کئے

گئے ہوں۔ اور ناجائز وسائل بہر حال ناجائز ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں کیا شک ہے کہ مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے انتخاب کرنے والوں کے حق کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً خود نہرو کمیٹی نے بعض صوبوں میں مسلمان اقلیتوں اور بعض میں ہندو اقلیتوں کے حق میں حقوق محفوظ کر کے اکثریت کے انتخاب کے حق کو محدود کر دیا ہے۔

اسی طرح مثلاً ممبروں کیلئے عمر کی نہرو کمیٹی نے شرط لگائی ہے کہ اکیس سالہ آدمی ووٹ دے سکتا ہے۔ اور چونکہ کوئی اور قید موجود نہیں' معلوم ہوا کہ اسی عمر کا آدمی ممبر منتخب ہو سکے گا۔ یہ بھی ایک قید ہے اکیس سال سے پہلے بھی کئی لوگ صاحب عقل و فہم ہو جاتے ہیں۔ پھر انتخاب کرنے والوں کیلئے یہ قید کیوں لگائی گئی ہے۔

اسی طرح گو مجھے سکیم میں نظر نہیں آیا لیکن جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے' ہندوستانی قومیت کی بھی ممبر کیلئے شرط ہوگی۔ کیونکہ سب مہذب ملکوں میں یہ قید موجود ہے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ایسا خیر خواہ شخص انتخاب کرنے والوں کو مل جائے جو باوجود غیر ہندوستانی ہونے کے ہندوستانیوں کا خیر خواہ ہو یا وہ ہندوستانی بننا تو چاہتا ہو لیکن قواعد اس کے ہندوستانی بننے میں کچھ عرصہ کیلئے روک ہوں۔

غرض انتخاب کے دائرہ کو اب بھی نہرو کمیٹی نے محدود کیا ہے۔ اور قانون اساسی کے مکمل ہونے پر اور بھی یہ دائرہ محدود کرنا پڑے گا۔ پس معلوم ہوا کہ حد بندی کر دینا نیابتی گورنمنٹ کے اصول کے مخالف نہیں' بلکہ ناجائز حد بندی کرنا اصول نیابت کے خلاف ہے اور جب کہ ایک صوبہ کی اکثریت ایک حق کا مطالبہ کرتی ہے اور مطالبہ بھی وہ جس میں دوسرے کے حق کو تلف نہیں کیا جاتا تو ایسی حد بندی کو ناجائز کیونکر کہا جا سکتا ہے اور جب وہ ناجائز نہیں تو وہ نیابت کے قانون کو تلف کرنے والی بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ اس طریق انتخاب کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ملک کے سب حصے مل کر اپنے نمائندے منتخب کریں۔ ملک کے مختلف حصے اپنے اپنے حلقوں میں انتخاب کریں گے۔ پس نمائندگی موجود ہے' صرف اس کی شکل بدلی ہے۔ اور شکلوں کے لحاظ سے تو دنیا کی تمام مہذّب حکومتوں کے انتخاب کے طریق کا آپس میں اختلاف ہے۔

چوتھی دلیل کارڈ

اب رہی چوتھی اور آخری دلیل اور شاید محفوظ نشستوں کے مخالفین کے نزدیک سب سے زبردست دلیل۔ لیکن ہر اک عقلمند محسوس کرے گا کہ یہ دلیل نہیں ہے بلکہ احساسات سے ملاعبہ ہے۔ اور مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس ملاعبہ میں نہرو رپورٹ کے مصنف بھی خوب دل کھول کر شامل ہوئے ہیں۔ اور یہ نہیں خیال کیا کہ ان کی یہ ترغیب اس کے بالکل اُلٹ نتیجہ پیدا کرے گی جو انہوں نے پیدا کرنا چاہا ہے۔

یہ دلیل جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں' یہ ہے کہ محفوظ نشستوں سے تو مسلمانوں کو صرف آبادی کے مطابق حق ملیں گے۔ لیکن اگر محفوظ نشستیں نہ ہوں تو انہیں اور بھی زیادہ حق مل جائیں گے۔ پس انہیں اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی پنجاب اور بنگال میں اس طرح تقسیم ہے کہ مخلوط انتخاب کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔

نہرو کمیٹی اس نظریہ پر اس قدر خوش ہے کہ اس نے باربار مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں:۔

"ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ (باوجود محفوظ نشستوں کے نہ ہونے کے) اس فوقیت نے بنگال کے ہندوؤں کو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں کوئی نفع نہیں دیا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ کونسلوں کے انتخاب کا نتیجہ اس سے بھی زیادہ مسلمانوں کے حق میں ہوگا۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"مگر ہندو نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم اس امر کا یقین کر سکتے ہیں کہ مسلمان اکثریت کیلئے پنجاب اور بنگال میں نشستوں کا محفوظ کرنا نشستوں کے محفوظ نہ کرنے کی نسبت عملی طور پر ہندوؤں کو اور غالباً سکھوں کو بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔ وہ اعداد اور واقعات جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی حالت ایسی مضبوط ہے کہ وہ ایسے مخلوط انتخاب میں جس کے ساتھ نشستیں محفوظ نہ ہوں اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ ممبریاں حاصل کرلیں گے اور اس طرح بالکل ممکن ہے کہ ہندو اور سکھ اپنی آبادی کی نسبت سے بھی کم نیابت حاصل کریں۔ یہ ایک ایسا نظریہ نہیں جو صرف ممکن ہے' بلکہ غالباً ایسا ہی ہوگا لیکن ایسے وقوعہ کو کسی طرح روکا نہیں جاسکتا۔"[۵۸]

اسی طرح بنگال کی نسبت لکھا ہے:۔

"ہندو اقلیت گو بہت بڑی اقلیت ہے۔ بہت ہی غالب گمان ہے کہ اعداد کے لحاظ سے ایک بے قید انتخاب میں زیادہ نقصان اٹھائے گی۔ بہ نسبت اس انتخاب کے کہ جس میں محفوظ نشستوں کی قید لگی ہوئی ہو۔"۵۹

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نہرو رپورٹ اس امر پر خاص زور دینا چاہتی ہے کہ محفوظ نشستوں کے بغیر مسلمان بنگال اور پنجاب میں خاص طور پر غالب رہیں گے۔ اور ایک ایسی رپورٹ کا جسے ہندوؤں نے تیار کیا ہے اس قدر زور مسلمانوں کو زائد حقوق کے ملنے پر دینا خواہ مخواہ ہی شک میں ڈالتا ہے۔ اور خصوصاً جب کہ وہی رپورٹ صفحہ اکاون (۵۱) پر یہ تسلیم کرتی ہے کہ محفوظ نشستوں کے بغیر پنجاب اور بنگال کے مرکزی پارلیمنٹ کے لئے بجائے اپنی تعداد کے مطابق بہتر ممبر نامزد کر سکنے کے صرف تیس سے چالیس تک ممبریاں نامزد کر سکیں گے۔ تو اس یقین اور غالب امید کا بھانڈا اس طرح پھوٹ جاتا ہے کہ کوئی پردہ اسے چھپا نہیں سکتا۔

میں یہاں مختصر لفظوں میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اوپر کے حوالہ جات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نہرو کمیٹی کے نزدیک مخلوط انتخاب کے باوجود ملک میں انتخابات کی جنگ صرف فرقہ وارانہ اصول پر لڑی جائے گی۔ کیونکہ اگر اس اصل کے جاری ہو جانے کے بعد ان کے نزدیک قومی خیالات میں اصلاح ہو سکتی تو کس دلیل پر مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں اکثریت حاصل ہو سکتی تھی۔

آبادی کی تقسیم کا انتخاب پر اثر

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ آبادی کی تقسیم کا انتخاب پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نہرو کمیٹی نے تین حلقے پنجاب کے بتائے ہیں۔ ایک حلقہ وہ جس میں مسلمان زیادہ ہیں۔ ایک وہ جس میں ہندو مسلمان کا پلڑہ برابر ہے اور ایک وہ جس میں ہندوؤں کا پلڑہ بھاری ہے۔ اور اس سے ثابت کیا ہے کہ چونکہ وہ علاقہ جس میں ہندوؤں کا پلڑہ بھاری ہے' تھوڑا ہے' اس لئے مسلمان بہرحال ہندوؤں' سکھوں سے فائدہ میں رہیں گے۔ اور یہی حال بنگال کا ہے میرے نزدیک یہ ایک مغالطہ ہے۔ نہرو کمیٹی نے فرض کر لیا ہے کہ انتخاب کا حلقہ ضلع ہوگا۔ حالانکہ انتخاب کا حلقہ ضلع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے بہت چھوٹا علاقہ ہوگا۔ نہرو کمیٹی نے ہر ایک لاکھ آدمی کو ایک ممبر منتخب کرنے کا حق دیا ہے۔ پنجاب کی آبادی دو کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔

اور اضلاع اٹھائیس ہیں پس اوسطاً ہر ضلع کے حصہ میں ساڑھے سات ممبر آئیں گے۔ اور اس تقسیم میں یقیناً بعض حلقے ایسے ہونگے۔ جہاں ہندو آبادی یا سکھ آبادی ایسی حقیر نہ ہوگی جیسی کہ سب ضلع کی آبادی کے مقابلہ میں وہ نظر آتی ہے اور یہ بات اس قاعدہ کو زیر نظر رکھنے سے اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ جو قوم کسی علاقہ میں کم ہو اور اس کا دوسری اقوام سے اختلاف ہو وہ بجائے دیہات میں بسنے کے شہروں میں رہتی ہے۔ ہندو بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور ان تمام علاقوں میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں' جا کر دیکھ لو کہ ہندو ان علاقوں میں گاؤں میں نہیں بلکہ قصبوں میں بستے ہیں اور اکٹھے رہتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو گاؤں میں جا کر کام کرتے ہیں' وہ بھی اپنی جائداد شہر میں خرید لیتے ہیں اور اپنا تعلق قصبات سے نہیں توڑتے۔ چنانچہ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی پچپن فیصدی اور سکھوں اور ہندوؤں کی کُل آبادی تنتالیس فی صدی ہے لیکن شہروں کی نیابت میں آٹھ ممبر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور چھ مسلمانوں کی طرف سے۔ یعنی شہری آبادی کی نیابت کے لحاظ سے سکھ ہندو ستاونؔ[۵۷] فیصدی ہیں اور مسلمان تینتالیس فی صدی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر بالغ مرد کو ووٹ کا حق ملنے پر یہ نسبت نہ رہے گی اور ہندوؤں اور سکھوں کی نسبت کم ہو جائے گی اور مسلمانوں کی ترقی کرے گی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس نسبت سے ظاہر ہے کہ ہندو اور سکھ شہروں میں زیادہ بستے ہیں اور اسلامی کثرت والے علاقوں میں یہ بات اور زیادہ نمایاں ہوگی خصوصاً جب ہر بالغ کو ووٹ کا حق ملا تو ان علاقوں میں ہر ہندو اپنا ووٹ کا حق شہر میں رکھے گا۔ اور اس طرح اپنا حق ان علاقوں میں بھی وصول کر کے رہے گا جن میں اس کی اقلیت ہے۔ پس نہرو کمیٹی کا نقشہ محض دکھاوے کا ہے۔ اور اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ اور یقیناً وہ زبردست فیکٹر (FACTOR) جسے نہرو کمیٹی نے بھی تسلیم کیا ہے یعنی ہندوؤں اور سکھوں کی تعلیمی اور مالی برتری وہ عمل کئے بغیر نہیں رہے گا۔

اب ایک ہی سوال رہ جاتا ہے اور وہ بنگال اور پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان انتخابوں میں مسلمانوں نے اپنے حق سے زیادہ حاصل کیا تھا۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان باوجود کمزوری کے اپنی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے اپنے حق سے زیادہ لینے پر قادر ہیں اور جب ہم یہ اندازہ کر لیں کہ وہ آئندہ منظم بھی ہو جائیں گے تو اس وقت تو یقیناً ایک بہت بڑا غلبہ حاصل کر لیں گے۔

بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کا انتخاب

چونکہ یہ حصہ مضمون کا بہت لمبا ہو چکا ہے میں بنگال اور پنجاب کو ملا کر ہی اس سوال پر روشنی ڈالتا ہوں اور پہلے بنگال کو لیتا ہوں۔ بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے الیکشنوں کا خود نہرو کمیٹی نے ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل بیان کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ بعض ضلعوں میں مسلمانوں نے اپنے حق سے زیادہ لے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کل صوبہ کے لحاظ سے مسلمانوں نے کیا حاصل کیا ہے۔ سو جب ہم ضلعوں کی نشستوں کی میزان لگاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کی ممبریوں کی تعداد چار سَو اٹھاون (۴۵۸) ہے اس میں سے مسلمانوں کو بحساب آبادی دو سَو سینتالیس (۲۴۷) ملنی چاہئے تھی۔ اور ہندوؤں کو دو سَو گیارہ (۲۱۱)۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہندوؤں نے دو سَو انچاس نشستیں (۲۴۹) حاصل کی ہیں۔ اور مسلمانوں نے دو سَو نو (۲۰۹) گویا مسلمان جو چون (۵۴) فیصد ہیں' انہیں پینتالیس (۴۵) فیصد نشستیں ملی ہیں۔ اور ہندو جو چھیالیس (۴۶) فیصد تھے' انہیں پچپن (۵۵) فیصد نشستیں ملی ہیں۔ یہ امید ہے جو نہرو کمیٹی ہمیں دلاتی ہے۔ اگر اسی قسم کا حق کونسلوں میں بھی ملنا ہے تو مسلمانوں کو کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کا انتخاب

اب میں پنجاب کو لیتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ بادی النظر میں پنجاب کا معاملہ بہت مضبوط ہے۔ چوہدری افضل حق صاحب نے جو اعداد و شمار پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے متعلق شائع کئے ہیں وہ بہت سے لوگوں کو حیران کر دیتے ہیں اور وہ ان پر نظر ڈال کر یقین کر لیتے ہیں کہ اعداد و شمار اس امر کی تائید میں ہیں کہ مسلمان کافی طاقت رکھتے ہیں کہ باوجود مالی اور علمی کمزوری کے پنجاب میں اپنے حق کی حفاظت کر سکیں۔ بلکہ ان سے زیادہ لے سکیں۔ ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے چار سَو تینتالیس (۴۴۳) اور حق رائے دہندگی کے لحاظ سے تین سَو باسٹھ نشستیں (۳۶۲) ملنی چاہئیں تھیں۔ مگر ملیں چار سَو آٹھ (۴۰۸)۔ گویا حق رائے دہندگی کے لحاظ سے مسلمانوں نے اپنے مقابل والوں سے چھیالیس نشستیں (۴۶) چھین لیں۔ سکھوں کو آبادی کے لحاظ سے پونے ستاسی (۸۷) نشستوں کا حق تھا۔ اور رائے دہندگی کے لحاظ سے ایک سو پونے پچاسی کا۔ لیکن انہوں نے حاصل ایک سو پچاسی کیں۔ گویا اپنے حق سے نہایت ہی خفیف زیادتی حاصل کی۔ ہندوؤں کا

اس کے مقابلہ میں آبادی کے لحاظ سے دو سو سوا پچھتّر ممبریوں کا حق تھا رائے دہندگی کے لحاظ سے دو سو اڑسٹھ (۲۶۸) کا اور حاصل انہوں نے دو سو اکیس (۲۲۱) کیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے حق سے زیادہ حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اخذ کردہ نتائج سے اختلاف

باوجود ان کُھلے کُھلے اعداد کے مجھے ان نتائج سے اختلاف ہے جو نکالے گئے ہیں۔ اور سب سے پہلے تو میرا یہ سوال ہے کہ کیا دنیا کی کسی معقول ہستی نے بھی ایک وقت کے نتیجہ پر حقائق کا اندازہ لگایا ہے۔ نتائج نکالنے کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ کم سے کم دس انتخابوں کے اعداد ہوں اور پھر ان کو ملا کر دیکھا جائے کہ اوسطاً کون سی قوم کس قدر نمائندگی حاصل کر سکی ہے۔ اگر یہ فرق اعداد کا صرف قریب کے انتخابوں کا ہے' بنگال میں بھی اور پنجاب میں بھی' تو یقیناً اس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ نتائج مسلمانوں کی ہوشیاری کے سبب سے نہیں ہیں۔ بلکہ اس فرقہ وارانہ جذبہ کی شدت کے ہیں جو پچھلے چار پانچ سال میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ملتان کے فسادات' کلکتہ کے فسادات' باریسال کے فسادات' لاہور کے فسادات' اور موپلوں پر مظالم ایسے نہ تھے کہ انہیں دیکھ اور سن کر ایک غافل سے غافل مسلمان کی آنکھوں میں بھی خون نہ اُتر آتا۔ پس اس جذبات کے عارضی اُبھار کو ایک مستقل معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیا غیر محفوظ نشستوں کے حامی ہمیں یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی دونوں اقوام کے جذبات کو اسی طرح اُبھارتے رہیں گے۔ اور دونوں قوموں میں نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رکھیں گے۔ اگر نہیں اور ملک کی خیر خواہی چاہتی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو نتیجہ دونوں قوموں کے اُبھرے ہوئے جذبات کا تھا' اس سے ایک مستقل اندازہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی قوم کو کوئی ناقابل تلافی صدمہ پہنچتا ہے تو اس وقت وہ تمام دوسرے اثرات کو بھلا دیتی ہے اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر کام کرتی ہے۔ اور اس وقت اس کے اعداد اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ چونکہ پچھلے چند سالوں میں مسلمانوں پر سخت ظلم ہوا ہے۔ بوجہ مظلوم ہونے کے ان کے جذبات دوسری اقوام سے زیادہ مشتعل تھے۔ اور اس وقت کی ان کی جدوجہد پر ہمیشہ کا قیاس کرنا بالکل خلاف عقل ہوگا۔ اور ان اعداد و شمار کی قدر و منزلت اسی وقت ثابت ہوگی' جب کہ کم سے کم دس انتخابوں کے اعداد و شمار سے وہی نتیجہ نکلتا ہو جو پچھلے انتخابوں کے اعداد و شمار سے نکلتا ہے کیونکہ مقابلۂ اعداد کے صحیح نتائج

واقفین فن کے نزدیک اسی وقت نکالے جاتے ہیں جس وقت کہ اول وہ خاص حالات کے اثر سے آزاد ہوں۔ دوم ایک لمبے عرصہ کے اعداد کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ سوم ان اعداد و شمار سے یہ نہ ثابت ہوتا ہو کہ کوئی مخالف رَو اندر ہی اندر ترقی کر رہی ہے۔ یا اس کے آئندہ ترقی کرنے کا احتمال ہے یعنی یہ ثابت ہو جائے کہ جو نتیجہ ہم نکال رہے ہیں۔ اس کے خلاف ہر سال کے اعداد میں کوئی تدریجی طور پر بڑھنے والا فیکٹر (FACTOR) موجود نہیں ہے۔ مگر ہمارے قابلِ قدر نوجوان نے اور نہرو کمیٹی نے جو اعداد پیش کئے ہیں' ان میں اوپر کی تینوں باتوں میں سے ایک کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ نہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان انتخابوں کے وقت کوئی خاص حالات پیدا نہ تھے (میں ثابت کر چکا ہوں کہ خاص حالات تھے) اور نہ کئی انتخابوں کے اعداد پیش کئے گئے ہیں اور نہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پچھلے انتخابوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمانوں کی اس برتری کو مٹانے والے کوئی اسباب رونما ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے ان اعداد سے نتیجہ نکالنا بالکل خلاف عقل اور خلاف تجربہ ہے۔ اعداد و شمار کی قدر و قیمت تو صرف اوسط کے کُلیّہ پر منحصر ہے۔ اس کے سوا اعداد و شمار کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ ایک مثال پر تو انحصار سخت خطرناک ہوتا ہے۔ کمزور سے کمزور فوج بھی کبھی زبردست سے زبردست غنیم کو ایک میدان میں شکست دے دیتی ہے مگر اس فعل کی تکرار نہیں ہوتی۔

ہندوؤں کا ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں دلچسپی نہ لینا

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اعداد و شمار سے یہ امر ثابت بھی ہو جائے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمان پچھلے انتخابات میں متواتر جیتتے چلے آئے ہیں' تب بھی اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کونسلوں کے الیکشن میں بھی مسلمان ضرور ہندوؤں پر غالب رہیں گے' درست نہیں۔ کیونکہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور کونسلوں میں کوئی مشارکت ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں کوئی حقیقی عزت اور حکومت نہیں ہے اور نہ ان کا اثر تجارتی امور پر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے ہندو دماغ یعنی بنیا ان میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتا۔ وہ اسی وقت دخل دیتا ہے کہ جب اس کا اپنا انٹرسٹ (INTEREST) ہو۔ مگر ڈسٹرکٹ بورڈ میں اس کا کیا انٹرسٹ ہے؟ وہ اگر ان کے انتخاب میں حصہ لیتا ہے تو صرف بعض دوستوں کی خاطر۔ ہاں میونسپل کمیٹیوں میں وہ دخل دیتا ہے اور کونسلوں میں دخل دیتا ہے کیونکہ میونسپل کمیٹیوں کا تجارت سے تعلق ہے۔ اور اسی طرح کونسلوں کا اور پھر اس کے

ساتھ ان میں حکومت بھی ہے۔ اور ہندوؤں کا دیرینہ آئڈیل (IDEAL) ان کے ذریعہ سے پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ پھر ہندو تہذیب کو دنیا میں قائم کریں گے۔ پس ڈسٹرکٹ بورڈوں پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں انگلستان کے پارلیمنٹ کے انتخاب اور لوکل بروز (BOROUGHS) کے انتخاب کے نتائج کو سامنے رکھ کر دیکھ لو۔ کہ ملک پارلیمنٹ میں اور پارٹی کو بھیجتا ہے۔ اور لوکل بروز (BOROUGHS) اور میونسپل کمیٹیوں میں بعض دفعہ بالکل مخالف پارٹی کو بھیجتا ہے۔ اس لئے واقفان سیاست جانتے ہیں کہ ایک کے نتائج پر دوسری کا قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ نہرو کمیٹی یا ہمارے پنجاب کے ممبر کونسل نے کس طرح دونوں کو ایک شے قرار دے کر بورڈوں کے انتخاب سے کونسلوں کے متعلق نتیجہ نکال لیا ہے۔

ڈسٹرکٹ بورڈوں سے ہندوؤں کی بے اعتنائی

میرے نزدیک سیاسی اصول کے مطابق اور عقلی دلائل کی رہبری سے غور کرنے کے علاوہ اگر ہم خود ان عداد پر غور کریں تو بھی ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ انتخاب کا جو نتیجہ پیدا ہوا ہے وہ مسلمانوں کی ہوشیاری کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو کہ مسلمانوں نے جس قدر نشستیں زائد لی ہیں وہ ہندوؤں سے لی ہیں نہ کہ سکھوں سے۔ اگر مسلمانوں کی ہوشیاری کے سبب سے یہ نتیجہ نکلتا تو وہ سکھوں سے بھی زائد نشستیں حاصل کرتے مگر اعداد کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب نشستیں ہندوؤں ہی نے کھوئی ہیں ان کی نشستوں کی کمی پونے سینتالیس ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی زیادتی چھیالیس ہے۔ اور سکھوں کی زیادتی ۱/۴ انشست کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کا حق چھینا ہے۔ اور سکھوں نے بھی ہندوؤں کا۔ حالانکہ اگر اقلیت پر اکثریت کے غلبہ کا سوال ہوتا تو سکھ زیادہ نقصان میں رہتے' کیونکہ ان کی اقلیت بہت کم ہے۔ اور ہندوؤں سے قریباً آدھی ہے۔ پس ان اعداد سے یہ نتیجہ کسی صورت میں بھی نہیں نکالا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اپنی طاقت سے یہ غلبہ حاصل کیا ہے۔ بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوؤں کو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتظام کے ساتھ کوئی خاص انٹرسٹ (INTEREST) نہیں ہے۔ اور جب یہ امر بالبداہت ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی کمزوری ڈسٹرکٹ بورڈ میں بوجہ ان کی رغبت کی کمی کے ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کونسلوں میں بھی

وہ مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائیں گے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں زیادہ تر زمیندار کا انٹرسٹ ہوتا ہے اور بَنیا زمین تو خرید لیتا ہے لیکن وہ کبھی زمیندار نہیں بننا چاہتا۔ اس وجہ سے وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے کام میں اس قدر حصہ نہیں لیتا۔ جس قدر کہ بظاہر اسے لینا چاہئے اور جو ہندو زمیندار ہے۔ وہ اسی طرح بنئے کے ہاتھوں مظلوم ہے جیسے کہ ہم مسلمان ہیں سرکاری عہدوں کو دیکھو۔ ان میں کانگڑہ، حصار، رہتک، گوڑگانواں، کرنال، انبالہ کے ہندو زمیندار بھی ویسے ہی کم نظر آئیں گے جیسے کہ مسلمان بلکہ ان سے بھی کم۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہندو بَنئے کے تسلط کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں زیادہ مقابلہ اس طبقہ کے لوگوں سے ہے نہ کہ ہندو تاجر اور ساہوکار سے۔

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب میں مرکزی انجمنیں دخل نہیں دیتیں اور نہ شہروں سے آکر لوگ امیدوار بنتے ہیں۔ لیکن کونسلوں میں مرکزی مجالس آکر دخل دیتی ہیں اور وہاں کے مالدار لوگ آکر مقابلہ کرتے ہیں پس دونوں کی مشابہت آپس میں بالکل ہی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اول تو جو اعداد پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اس صورت میں نہیں کہ سائنٹیفک (SCIENTIFIC) طور پر ان سے کوئی نتیجہ نکالا جا سکے۔ اور اگر ان سے وہی نتیجہ نکلے جو نکالا جاتا ہے تو بھی ڈسٹرکٹ بورڈوں پر کونسلوں کے الیکشنوں کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ دونوں میں کوئی مماثلت نہیں اور نتیجہ نکالنے کے لئے مماثلت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی قومی ہستی کو خطرہ

مگر میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے تمام وہ امور تسلیم کر لو جو اس مثال کے پیش کرنے والے منوانا چاہتے ہیں۔ پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان اعداد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ انتخاب میں غالب رہیں گے۔ یا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کبھی مسلمان بھی غالب ہو سکیں گے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقل مند بھی ان اعداد سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ ہمیشہ مسلمان اپنی تعداد سے زیادہ نشستیں لے لیا کریں گے کیونکہ جس آرگنائزیشن (ORGANIZATION) کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوگا۔ اسی کا دروازہ ہندوؤں کے لئے بھی کھلا ہوگا اور پھر جب ہم اس امر کو مدنظر

رکھیں کہ ہندو اقلیت ہیں اور اقلیت میں جوش اکثریت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اس بات کو بھی دیکھیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پنجاب میں دو اقلیتیں ہیں۔ اور ان میں سے ہر اک یہ سمجھتی ہے کہ میں بہت تھوڑی ہوں اور یہ اَمر اُن کے جوش کو بڑھا دیتا ہے۔ اور پھر یہ دیکھیں کہ یہ دونوں اقلیتیں مل کر مسلمانوں کے قریب پہنچ جاتی ہیں تو خطرہ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان بعض اوقات اکثریت حاصل کر لیں گے تو یہ دوسری اقوام بھی ضرور اکثریت حاصل کرتی رہیں گی۔ اور اگر یہ ہوتا رہا تو پھر مسلمانوں کے لئے اس رنگ میں ترقی کرنے کا کوئی موقع نہ رہے گا جو ہندوؤں کو دوسرے صوبوں میں ملے گا۔ اور مسلمانوں کو چند ہی سال میں پورے طور پر اپنے آپ کو ہندو کلچر (CULTURE) کے آگے ڈال کر اپنی قومی ہستی کو کھو دینا پڑے گا۔ کلچر کی ترقی کے لئے زبردست حکومت کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر کہ متواتر حکومت کی۔ اور وہ تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ محفوظ نشستیں ہوں بیشک اس صورت میں ہندوؤں کا عنصر قریباً ہر حکومت میں شامل رہے گا۔ مگر میرے نزدیک یہ بہتر ہو گا' کیونکہ اس طرح فرقہ وارانہ حکومت کا سدِّباب ہو جائے گا اور اتحاد میں زیادہ مدد ملے گی۔

مسلمانوں کا چوتھا مطالبہ مرکزی حکومت میں اسلامی نیابت

چوتھا مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا کہ مرکزی حکومت میں انہیں ایک ثلث نیابت دی جائے۔ اور کم سے کم ان کے موجودہ حق کو کم نہ کیا جائے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں اس مطالبہ کو بھی رد کر دیا گیا ہے۔ نہرو رپورٹ میں لکھا ہے۔

> "ہم نے خوب غور کیا ہے لیکن ہم افسوس کرتے ہیں کہ ہم مرکزی پارلیمنٹ کی کُل نشستوں میں سے ایک تہائی کی مسلمانوں کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔"[۶۰]

اس کی جگہ جو کچھ رپورٹ تجویز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلمان بہت کم ہیں۔ ان میں ان کے حقوق بقدر آبادی محفوظ کر دیئے جائیں۔ اور پنجاب اور بنگال میں آزاد مقابلہ رہے۔

مجنونانہ خیال

میں یہ بتا چکا ہوں کہ خود نہرو رپورٹ کے بیان کے مطابق ان صوبوں میں جن میں مسلمان کم ہیں مسلمانوں کا زیادہ حق لے لینا تو بڑی بات ہے' وہ اس قدر

حق بھی نہیں لے سکتے جس قدر حق کہ ان کو آبادی کے لحاظ سے ملنا چاہئے۔ پس یہ امید کرنی کہ اس انتظام کی رو سے مسلمانوں کو ان کی آبادی سے زیادہ حق مل سکے گا۔ ایک مجنونانہ خیال ہے۔ پس نہرو کمیٹی کے فیصلہ کی رُو سے مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا ہے۔ اور ضروری ہے کہ کم سے کم ایک ثُلث ممبریوں کا حق ان کے لئے محفوظ رکھا جائے۔

نہرو رپورٹ کے دلائل

نہرو کمیٹی جو دلائل اس کے خلاف پیش کرتی ہے وہ یہ ہیں کہ:-

۱۔ کسی قوم کو اس کی تعداد سے زائد حق دینا اصول کے خلاف ہے۔
۲۔ اگر مسلمانوں کو زائد حق دیا گیا تو دوسری قلیل التعداد جماعتوں کی حق تلفی ہو گی۔
۳۔ اگر مسلمانوں کے لئے ایک ثلث نشستیں خاص کر دی جائیں تو ان کی تقسیم کا کیا طریق ہو گا؟ اس طرح ہمیں لازماً پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کو محفوظ نشستوں کا حق دینا پڑے گا جسے ہم غلط ثابت کر چکے ہیں۔ پس علاوہ اس کے یہ بات اصولی طور پر غلط ہے' اس پر عمل کرنے میں بھی مشکلات ہیں۔

تعداد سے زائد حق

پہلی بات کہ کسی جماعت کو اس کی تعداد سے زائد حق دینا اصول کے خلاف ہے بالکل درست نہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو بین الاقوامی گفتگو میں ہمیشہ بڑی حکومتوں کے نمائندے زائد ہوتے اور چھوٹی حکومتوں کے کم۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ رائے کے لحاظ سے وہی حق بلجیئم کو جو ایک چھوٹی سی حکومت ہے' حاصل ہے جو کہ برطانیہ کو جو چالیس کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ پس قوموں کے حقوق کے وقت خالی تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ تعداد کے علاوہ اور امور بھی قابل غور ہوتے ہیں۔

نیابتی حکومت کی حقیقت

میرے نزدیک نیابت کی نسبت کے سمجھنے کے لئے نیابتی حکومت کی حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ نیابتی حکومت کی بنیاد اسی اصل پر ہے کہ ہر انسان آزاد ہے۔ لیکن (۱) وہ ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہے کہ کسی نہ کسی حکومت سے وابستہ ہو۔ (۲) آزادی کا استعمال اسی وقت جائز ہے۔ جبکہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ چونکہ یہ دونوں مقصد بغیر ایک نظام سے وابستہ ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتے اس لئے حکومت کا قیام ضروری ہے۔ چونکہ یہ امر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ ہر انسان آزاد ہے۔ اس لئے حکومت کا بہترین طریق وہ ہی ہو گا جس میں فرد کی

آزادی کم سے کم قربان ہو۔ اور حکومت میں زیادہ سے زیادہ ممکن حصہ اسے حاصل ہو۔ چونکہ حکومت بہت سے افراد کے ملنے سے ہوتی ہے۔ اور کوئی مجموعہ بہت سے افراد کا ایسا نہیں مل سکتا کہ جس کی رائے ہر اک امر میں متفق ہو۔ اس لئے درمیانی راہ حکومت کی یہ ہوگی کہ ہر امر میں اس رائے پر عمل ہو جس پہ زیادہ سے زیادہ لوگ متفق ہوں۔ اور چونکہ ہر امر پر لوگوں کی رائے لینا ناممکن ہے' اس لئے آزادی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تجویز کی جائے کہ بجائے مسائل پر رائے لینے کے ملک کے عاقلوں' بالغوں سے یہ رائے لے لی جائے کہ حکومت کے معاملات میں کن لوگوں پر وہ اعتبار کرتے ہیں۔ تاکہ پیش آمدہ امور میں ان سے رائے لے لی جایا کرے۔ اس کے سوا کوئی اور معقول وجہ نیابتی حکومت کے قیام کی نہیں ہے۔ لیکن یہ سلسلہ خیالات اپنی تمام کڑیوں میں ایک اصل کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہے اور وہ حریتِ افراد ہے۔ تمام افراد آزاد ہیں۔ اپنے معاملات میں فیصلہ کرنے کا کامل حق انہیں حاصل ہے۔ حکومت کی خاطر اپنے حق کو چھوڑ دینا ایک مجبوری کا امر ہے۔ ہر اک جو اپنی حریت کو چھوڑتا ہے' وہ گویا ملک و قوم کی خاطر ایک قربانی کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ انسانی طبائع مختلف ہیں ایک معاملہ میں لوگ مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں تو دوسرے معاملہ میں مجھ سے اتفاق کریں گے۔ اس لئے میں ایک بات دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہوں کہ دوسرے موقع پر اسی قانون کے ماتحت میری بات مانی جائے گی۔

جہاں تک افراد کا سوال ہے اور پھر خصوصاً سیاسیات کا یہ سمجھوتا ٹھیک چلتا ہے۔ لیکن جس وقت قومیتوں اور مذہب کا سوال درمیان میں آجاتا ہے' یہ دلیل رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قومیت اور مذہب کو قربان نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی رائے کو تو کثرت کے لئے اس وجہ سے قربان کرتا تھا کہ دوسرے ہی معاملہ میں کثرت میرے ساتھ ہوگی۔ لیکن وہ مذہب اور قوم کو کس بنا پر قربان کر سکتا ہے۔ کیا وہ امید کر سکتا ہے کہ دوسرا بھی میری خاطر مذہب اور قوم قربان کر دے گا۔ اور فرض کرو کہ دوسرا شخص اس امر کے لئے تیار بھی ہو جائے۔ کیا ایک دیانت دار آدمی اپنے مذہب کو اس لئے چھوڑ دے گا کہ دوسرا بھی اپنے مذہب کو چھوڑنے کے لئے تیار ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ایسے وقت میں لازماً وہ یہ سوال کرے گا کہ میری قومیت اور مذہب کی حفاظت کا سامان کر دو۔ تب میں اپنا پیدائشی حقِ آزادی مجموعۂ افراد کے حق میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔

مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال

یہی سوال اس وقت ہندوستان میں پیدا ہے۔ مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہے گی۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست قومیں بستی ہیں جن کے مذہب الگ ہیں۔ اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں۔ پس ایک مستقل اکثریت کے مقابلہ میں ایک مستقل اقلیت بن کر رہنے کے لئے وہ کس طرح تیار ہو سکتے ہیں۔ جب تک کہ ان کے حقوق کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے۔ یہاں سیاسی مسائل کا سوال نہیں کہ ہر مسئلہ پر اقلیت اور اکثریت بدلتی چلی جائے گی بلکہ قومی اور مذہبی حقوق کا سوال ہے۔ یہ کہنا بالکل فضول ہو گا کہ ایک دوسرے پر اعتبار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر یہی بات ہے تو کیوں ہندو ہی مسلمانوں پر اعتبار کر کے انہیں نصف سے زیادہ نشستیں نہیں دے دیتے۔ اور دوسرے ہمارے سامنے ریاستوں اور سرکاری دفاتر کا تجربہ موجود ہے۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے' اس کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حفاظت کا سامان نہ کرنا قومی خودکشی سے کم نہ ہو گا۔

غرض مستقل اقلیت اور اکثریت کا سوال ان اصول پر طے نہیں کیا جا سکتا جو بدلنے والی اکثریت اور اقلیت کے سوال کے حل کرنے میں کام آتے ہیں۔ بلکہ ان اصول پر طے ہوتا ہے کہ جن پر دو مختلف حکومتوں کے باہمی اختلاف طے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر ان حالات میں مسلمان زیادہ نمائندگی مانگتے ہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آخر ان کے اس دعویٰ کا کیا ردّ ہے کہ نیابتی حکومتیں اکثریت کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ ہم جو یہ قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں کہ حکومتِ ہند کو ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دے دیں تو کیا ہمارا اس قدر حق بھی نہیں کہ ہم مطالبہ کریں کہ قانون اساسی کی کوئی تبدیلی بغیر ہمارے مشورہ کے نہ ہو۔

قانونِ اَساسی کی تبدیلی اور مسلمان

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ نہرو کمیٹی نے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ۲/۳ ممبروں کی رائے کی شرط رکھی ہے۔ اور اگر مسلمانوں کو ان کی تعداد کے برابر بھی ممبریاں مرکزی پارلیمنٹوں میں مل جائیں تو انہیں ۱/۴ نشستیں ملیں گی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ قانون اساسی اس وقت بھی بدلا جا سکتا ہے کہ جب ایک مسلمان بھی اس کی تائید میں نہ ہو۔ کیونکہ مسلمان نیابت اگر آبادی کے مطابق ہو تو مسلمان ممبر پچیس (۲۵) فیصدی ہوں گے۔ اور ہندو پچھتّر (۷۵) فیصدی اور

قانونِ اَساسی چھیاسٹھ (۶۶) فیصدی ممبر بدل سکتے ہیں پس مسلمانوں کا حکومت میں دخل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تینتیس (۳۳) فیصدی نہیں بلکہ چونتیس (۳۴) فیصدی ممبریاں دونوں مرکزی پارلیمنٹوں میں مسلمانوں کو دی جائیں۔ ہندوؤں کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وہ پھر بھی اکثریت رہتے ہیں۔ مسلمان حکومت کے لئے حق نہیں مانگتے۔ وہ صرف اس قدر مانگتے ہیں کہ جس حق کی موجودگی میں ان کا اپنا حق نہ مارا جائے۔ ورنہ حکومت کرنے کے لحاظ سے چونتیس (۳۴) فیصدی اقلیت بھی ویسی ہی بیکار ہے جیسے کہ پچیس (۲۵) فیصدی۔ ہندو صاحبان کا یہ کہنا کہ اقلیت کا کیا حق ہے کہ وہ اپنی تعداد سے زائد حق مانگے۔ نیابتی حکومت میں بہر حال اکثریت حکومت کرتی ہے' ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ نیابتی اور انتخابی حکومتوں کا دارومدار فردی آزادی کے حق پر ہے۔ اگر فردی آزادی کا اصل درست نہیں تو نیابتی اور انتخابی حکومت بھی ایک بے معنے شے ہے۔ اور اگر فردی آزادی کا حق درست ہے تو آٹھ کروڑ مسلمان جائز طور پر کہہ سکتے ہیں کہ انتخابی اور نیابتی حکومت کا قیام فردی آزادی کے قیام کے لئے ہوتا ہے۔ پس ہم کس طرح اس طریق حکومت پر راضی ہو سکتے ہیں کہ جو ایک چوتھائی آبادی کے حقوق کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیتا ہے۔ ہم اپنے لئے اکثریت کے طالب نہیں۔ مگر کیا ہم اس قدر حق کے طلب کرنے میں بھی حق بجانب نہیں جو اس حق کی حفاظت کرتا ہو جس کے قائم رکھنے کے لئے ہی انتخابی اور نیابتی حکومت قائم کی جاتی ہے۔ اور جس کی خاطر فرد اپنی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ اگر اکثریت کو اپنی غیر مُبدّل کثرت کے سبب سے حکومت کا حق حاصل ہے تو پھر انتخابی اور جبری حکومت میں فرق کیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بے شک اکثریت کے لئے حکومت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس سے مراد سیاسی اکثریت ہوتی ہے۔ جو حالات کے ماتحت بدلتی رہتی ہے' نہ کہ ایسی اکثریت جو دائمی ہو۔ اور جس کے بعض فیصلے مذہبی تعصب سے متأثر ہو سکتے ہوں۔ جب یہ خطرہ ہو کہ کسی اکثریت کے فیصلے بیرونی اثرات سے متأثر ہو سکتے ہیں اور وہ اکثریت نہ بدلنے والی ہو تو اس وقت اس قوم کی حفاظت کا ذریعہ پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے جس پر اکثریت کے متعصّبانہ فیصلوں کا اثر ممکن ہو۔

اقلیت کو زائد حقِ نیابت کب دینا ضروری ہے

شاید کوئی شخص یہ کہے کہ تب تو پھر ہر حکومت میں ہر مذہبی اقلیت کو

زائد حق نیابت دینے کی ضرورت پیش آئے گی اور اگر اس طرح ہو گا تو پھر نیابتی حکومت چلے گی کیونکر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اقلیت کے لئے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے جس کی نسبت خطرہ ہو کہ اکثریت اور اس کے درمیان مذہبی یا قومی تعصّب حائل ہو گا۔ ورنہ خالی اقلیت ہونے کی وجہ سے کسی خاص قانون کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دوسرے اگر ایک سے زیادہ اقلیتیں مل کر ایسی تعداد کو پہنچ جاتی ہوں کہ اکثریت کو ظلم سے روک سکیں، تب بھی کسی خاص حفاظتی تدبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں مشکل یہی ہے کہ قابل ذکر اقلیت صرف ایک ہی ہے۔ بدھ اور سکھ گو ہندوؤں سے علیحدہ مذہب کے دعویدار ہیں مگر وہ عملی سیاست میں ایک ہیں۔ اور وہ درحقیقت اقلیتوں کی حفاظت کا موجب نہیں ہیں' بلکہ اکثریت کا پلڑہ بھاری کرنے کا موجب ہیں۔ اگر دو حقیقی اقلیتیں ہندوستان میں ہوتیں جو مل کر ایک زبردست اقلیت بن جاتیں تب مسلمانوں کو زائد حق دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اس وقت حقیقی اقلیت مسلمانوں کے سوا صرف مسیحیوں کی ہے۔ مگر وہ صرف ایک فیصدی ہیں۔ اور انہیں نہ تو اپنی انتہائی کمزوری کی وجہ سے ہندوؤں سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ ظلم کے روکنے میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔

کیا ہندوستان کو خود اختیاری حکومت نہیں ملنی چاہئے

میں اس موقع پر اس خیال کو رد کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو بعض لوگ ہندو مسلم مناقشات کے ذکر پر ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اس قدر اختلاف ہے تو پھر ہندوستان کو خود اختیاری حکومت نہیں ملنی چاہئے۔ میرے نزدیک جب ایسے ذرائع موجود ہیں کہ اقلیت کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان ذرائع کو اختیار کر کے خود اختیاری حکومت ہندوستان کو نہ دی جائے۔ یورپ میں ایسے بہت سے ممالک ہیں کہ جن میں شدید اختلاف کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے ذرائع اختیار کر کے وہاں جدید حکومتیں قائم کی گئی ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ جو کچھ یورپ میں کیا گیا ہے وہی ہندوستان میں نہ کیا جائے۔

دوسری اقلیتوں کے حقوق تلف ہونے کا سوال

دوسری دلیل نہرو کمیٹی کی مسلمانوں کو زیادہ نیابت دینے کے خلاف یہ ہے کہ اس طرح دوسری اقلیتوں کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ

اس دلیل کا کیا مفہوم ہے اور مجھے ڈر ہے کہ خود نہرو کمیٹی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کو زائد حق دینے کی وجہ سے دوسری اقلیتوں کے حقوق کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اول تو مسلمانوں کے سوا اور کوئی اقلیت ایسی ہے ہی نہیں جسے مستقل اقلیت کہا جا سکے۔ بدھ لوگ اس وقت ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک شاخ بن رہے ہیں۔ انہیں وہ خطرات ہی نہیں جو مسلمانوں کو ہیں۔ قومی سوالات کے موقع پر وہ ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ سکھوں کا بھی یہی حال ہے۔ باقی رہے مسیحی' وہ صرف ایک فی صدی ہیں۔ اور اکثر ہندوؤں سے نکل کر مسیحی ہوئے ہیں۔ اور کوئی ماضی نہیں رکھتے جس کے ساتھ انہیں وابستگی ہو۔ کوئی چیز ان کے پاس ایسی نہیں جس کے کھوئے جانے کا خطرہ ہو۔ پس ان کو خوف کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ بھی نہیں کہ مسیحیوں کا حق نیابت کم کرکے انہیں دیا جائے۔ ان کا مطالبہ تو یہ ہے کہ اکثریت کے پاس اس قدر گنجائش ہے کہ اس کا حق نیابت کم کر کے مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اور باوجود اس کے اکثریت کی اکثریت میں فرق نہیں آتا۔ پس دوسری اقلیتوں کے حقوق کو کم کرنے کا اس جگہ کوئی سوال ہی نہیں کہ انہیں نقصان کا اندیشہ ہو۔

کیوں نشستیں مخصوص نہ کی جائیں؟

تیسری دلیل نہرو کمیٹی کی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کیلئے نشستیں مخصوص کردی جائیں تو ان کی تقسیم کس طرح ہوگی اس طرح تو پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کے لئے حق نیابت محفوظ کر دینا ہوگا لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ یہ امر تو مسلمانوں کے مطالبات میں شامل ہے کہ پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کی نیابت کا حق محفوظ ہونا چاہئے اور میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہی طریق درست اور انصاف کے مطابق ہے پس دلیل کی بنیاد ایک ایسے اَمر پر رکھنا جو خود مَابِهِ النِّزَاع ہے۔ عقل کے خلاف ہے اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے نشستوں کی حفاظت نہ کی جائے گی تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجلس نیابت کے نمائندوں کے انتخاب کے وقت ہندوستان کو مجموعی حیثیت میں دیکھنا ہوگا۔ اور ہندوستان کی مجموعی آبادی کو مد نظر رکھ کر مسلمان اقلیت ہیں' بلکہ کمزور اقلیت۔ پس اگر بفرض محال صوبوں میں نشستیں محفوظ نہ بھی ہوں تب بھی مرکزی مجلس کیلئے نشستوں کی حفاظت کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ انہیں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

ہندو کس طرح مسلمانوں کا اعتبار حاصل کرسکتے ہیں

میں آخر میں ہندو صاحبان کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں وسعت حوصلہ سے کام لینا چاہئے۔ وہ اس بات کی امید ہرگز نہ رکھیں کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین ہوتے ہوئے بھی وہ مسلمانوں کا حق چھیننا چاہیں گے تو انہیں آزادی کے حصول میں کامیابی ہوگی۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کی آزادی کا فردی لحاظ سے گو ہر اک فرد کو فائدہ پہنچے گا۔ مگر قومی لحاظ سے اس کا نفع ہندوؤں کو پہنچے گا۔ کیونکہ ان کی تعداد اس ملک میں بہت زیادہ ہے۔ پس انہیں وُسعتِ حوصلہ سے کام لینا چاہئے۔ اور اس تنگ نظریہ پر انہیں زور نہیں دینا چاہئے جس کے اختیار کرنے سے ایک اقلیت کو بھی شرمانا چاہئے۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی قوم کا فرض ہے کہ وہ وُسعتِ حوصلہ دکھائے تو وہ زبردست اکثریت ہی ہے۔ انہیں پروفیسر مرے (PROFESSOR MURREY) کا یہ قول یاد رکھنا چاہئے کہ:۔

"دونوں طرفوں کو نہ صرف عفو بلکہ احسان سے کام لینا چاہئے۔ اور دنیا تو یہی کہے گی کہ پہلا فرض غالب قوم کا ہے کہ وہ احسان سے کام لے۔"[۱۱]

یہی قول ان پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ اگر ہندوؤں کی اکثریت باوجود اس کے کہ ان کی اکثریت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا' مسلمانوں کی اقلیت سے ان شرائط کے طے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن کی واحد غرض مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے تو پھر اسے بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ مسلمانوں کا اعتبار حاصل کرلے گی' اور وہ گورنمنٹ کو ایک ملکی گورنمنٹ خیال کریں گے۔

مسلمانوں کا پانچواں مطالبہ جُداگانہ طریق انتخاب

پانچواں مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا کہ انتخاب کا طریق جُداگانہ ہو۔ یعنی مسلمان مسلمان ممبر منتخب کریں۔ اور ہندو ہندو ممبر منتخب کریں۔ مگر اس مطالبہ کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ بعض کے نزدیک جُداگانہ انتخاب اس وقت تک جاری رہنا چاہئے' جب تک خود مسلمان اس کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوں۔ بعض کے نزدیک اوپر کے مطالبات کے منظور ہونے پر اس مطالبہ کو مخلوط انتخاب کے حق میں چھوڑا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں کے حقوق تمام صوبوں میں اور مرکزی گورنمنٹ میں محفوظ کردیئے جائیں۔ جُداگانہ انتخاب کی

تائید میں مسلمانوں کے ایک معتدبہ حصہ کی رائے ہے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں‘ سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ جُداگانہ انتخاب ایک عارضی علاج ہے۔ اس لئے اس امر پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جُداگانہ انتخاب اصولی طور پر مخلوط انتخاب کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ کیا جُداگانہ انتخاب اس عارضی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے یا نہیں۔ جس کے لئے اسے تجویز کیا جاتا ہے وہ عارضی ضرورت مسلمانوں اور ہندوؤں کی آپس کی بے اعتباری ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس بے اعتباری کے وجود کا کسی کو انکار نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس بے اعتباری کے زمانہ میں انتخاب کا طریق کیا ہو مسلم لیگ کا کلکتہ سیکشن بھی اس اَمر کو تسلیم کرتا ہے کہ جب تک بعض شرطیں پوری نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اس کو اُڑانا درست نہ ہوگا۔ اور چونکہ وہ شرطیں پوری نہیں ہوئیں‘ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ بھی جُداگانہ انتخاب کی تائید میں ہیں۔

جُداگانہ انتخاب کا فائدہ

میں جہاں تک سمجھتا ہوں جُداگانہ انتخاب کم سے کم عارضی طور پر فساد کے مٹانے میں ضرور مفید ہوگا۔ یہ خیال کہ اِس وقت تک اِس نے کیا اثر کیا ہے‘ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اس کے مقابلہ میں یہی سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک ڈسٹرکٹ بورڈوں کے مشترک انتخاب نے کیا اثر کیا ہے۔ یا ان میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب نے کیا اثر کیا ہے جہاں مخلوط انتخاب ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جُداگانہ انتخاب اگر بُرا ہے تو بین الاقوامی تعلقات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اندرونی تعلقات کے لحاظ سے۔ بین الاقوامی تعلقات تو اس سے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ قوم میں اقدام کی روح کمزور ہو جاتی ہے۔ لیکن اس وقت چونکہ ہندو مسلم تعلقات خراب ہیں‘ اس کو اختیار کرنا اشد ضروری ہے۔ اس طریق کے اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ دونوں قومیں اطمینان سے کام کریں گی۔ موجودہ تجربہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جُداگانہ انتخاب کے طریق پر عمل کرتے ہوئے ایک جگہ بھی خالص مسلم پارٹی کوئی نہیں بنی۔ اگر جُداگانہ انتخاب تفرقہ پیدا کرتا تو چاہیئے تھا کہ کونسلوں میں مسلم اور ہندو پارٹیاں بنتیں۔ مگر ان پارٹیوں کا نہ بننا بتاتا ہے کہ اس تجویز میں وہ نقص نہیں ہے جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ آخر اس جُداگانہ انتخاب کی مدد سے وہ مسلمان بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ جو سوَراج پارٹی میں شامل ہیں۔ اور وہ بھی جو مخلوط انتخاب کے حامی ہیں اسی طرح وہ ہندو بھی جو

مسلمانوں سے مل کر کام کر رہے ہیں۔ پس کونسلوں کے انتخاب کے لحاظ سے تو ہمیں اس کا کوئی خاص برا اثر نظر نہیں آتا۔

باہمی تفاہم کیلئے ایک مفید تجویز

میرا خیال یہ ہے کہ اگر دوسرے مسلمان اس پر متفق ہوں تو طریق انتخاب کے متعلق یہ سمجھوتہ کر لیا جائے کہ مسلم لیگ کے مطالبات کے پورا ہو جانے اور سوراج کے حصول کے بعد دس سال تک ان صوبوں میں جہاں ہندو یا مسلمان چاہیں جداگانہ انتخاب کا طریق جاری رہے۔ اس دس سال کے عرصہ میں اگر وہ قوم جس کا یہ مطالبہ ہو' خوشی سے اپنے حق کو چھوڑ دے تو اس کی مرضی' ورنہ دس سال تک جداگانہ انتخاب ضرور رکھا جائے۔ اس کے بعد جن صوبوں میں ہندو یا مسلمان کمزور اقلیت ہیں' وہاں تو اس وقت تک کیلئے کہ وہ اقلیت اپنی مرضی سے اپنے حق کو نہ چھوڑے' مخلوط انتخاب اور محفوظ نشستوں کے طریق کو جاری رکھا جائے۔ اور پنجاب اور بنگال میں ایک مقررہ عرصہ تک مخلوط انتخاب اور محفوظ نشستوں کے طریق کو جاری کیا جائے۔ اس کے بعد خالی مخلوط انتخاب کو۔ مگر شرط یہی ہو کہ ڈومینین سلف گورنمنٹ (DOMINION SELF GOVERNMENT) کے حصول اور مسلمانوں کی شکایات کے دور ہونے کے بعد سے یہ انتظام شروع ہو تاکہ مسلمان اپنے حق سے پورا فائدہ اٹھا کر اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس بات کو بطور تجویز نہیں بلکہ بطور ایک خیال کے پیش کرتا ہوں جس پر غور کر کے ممکن ہے کہ کوئی مفید درمیانی راہ نکل سکے۔ جو مسلمانوں کے دونوں مختلف گروہوں کو اکٹھا کر دے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر ایک کافی عرصہ مسلمانوں کو آزاد گورنمنٹ میں اپنے حقوق کی حفاظت کا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مل جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تدریجی ترقی کے بعد کھلے میدان میں اپنے حریف کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ اور خصوصاً جب کہ یہ انتظام صرف بنگال اور پنجاب کے لئے ہو جہاں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہے تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ ہم لوگوں کے لئے اس میں کیا نقصان ہے۔ بہرحال یہ ایک تجویز ہے جس پر ہندو اور مسلمان اگر غور کریں تو شاید باہمی تفاہم کی صورت پیدا ہو جائے۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جُداگانہ انتخاب اصول انتخاب کے بالکل خلاف نہیں ہے۔ اور صرف یہ کہہ دینا کہ یورپ میں اس پر عمل نہیں ہوتا اس لئے یہ طریق ہی صحیح نہیں'

کوئی دلیل نہیں۔ جس ملک میں ایسی اقوام بستی ہوں کہ جو اپنی جُداگانہ تہذیب اور جُداگانہ مذہب رکھتی ہوں اور ان کے درمیان میں ایک لمبے عرصہ سے جھگڑے اور مناقشے ہوں' ان کے متعلق کوئی نہ کوئی احتیاط کرنی ضروری ہوگی ورنہ چھوٹی قوم کی تباہی یقینی ہو جائے گی اور اس کی ذمہ داری اکثریت پر ہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے جھگڑوں کے موقعوں پر اکثریت ہی کے بس میں ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کو اطمینان دلائے۔ پس حق تو یہ تھا کہ خود ہندو صاحبان مسلمانوں سے کہتے کہ آپ کو اطمینان دلانے کا طریق یہ ہے کہ آپ اپنے نمائندے الگ منتخب کریں۔ اور ہم اپنے نمائندے الگ منتخب کریں گے۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاج پیش کرنے پر بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جُداگانہ انتخاب افتراق کا موجب نہیں

کہا جاتا ہے کہ جُداگانہ انتخاب سے افتراق پیدا ہوتا ہے مگر یہ ایک دھوکا ہے جس کا ردّ اصولاً تو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اب واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا ہندو مسلمانوں میں اختلاف جُداگانہ انتخاب سے پہلے کا ہے یا پیچھے کا؟ اگر بعد کا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ اس طریق فیصلہ سے پہلے مسلمانوں کی نسبت مختلف گورنمنٹ کے محکموں میں کیا تھی؟ اگر یہ واقعہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو پورا حق ملا کرتا تھا تو پھر بے شک کہا جائے گا کہ اس سے پہلے ہندوؤں کو مسلمانوں سے تعصّب نہ تھا۔ لیکن اگر پہلے موجودہ حالت سے بھی بدتر حال تھا تو ماننا پڑے گا کہ جُداگانہ انتخاب سے تعصّب نہیں پیدا ہوا بلکہ تعصّب کی وجہ سے مسلمانوں کو جُداگانہ انتخاب کا خیال پیدا ہوا ہے۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آج کل پہلے سے زیادہ تعصّب کی صورت پیدا ہے تو اس کا باعث جُداگانہ انتخاب کو قرار نہیں دیا جائے گا' بلکہ ہندوؤں کی اس بے چینی کو کہ جو حقوق وہ پہلے بِلا شرکتِ غیرے استعمال کر رہے تھے' اب مسلمان بھی کسی قدر ان میں حصہ لے رہے ہیں۔

میں اس قصہ کو ختم کرنے سے پہلے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نیابت کی اصل غرض ایک قوم کے صحیح خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح ترجمانی ایک قوم کی اس کا ہم مذہب ہی اچھی طرح کر سکتا ہے۔ ہمیں یہ بات نہیں بھلانی چاہئے کہ الیکشن کے وقت عارضی اور جوش دلانے والے سوالات اٹھا کر ووٹ حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ لیکن دوران اجلاس کونسل میں بیسیوں نئے سوال پیدا ہو جاتے ہیں جن کا خود انتخاب کرنے والوں کو

کوئی علم نہیں ہوتا۔ پس اصل نیابت وہی ہے جو اپنے ہم مذہب کریں تاکہ ہر نئے پیش آمدہ معاملہ میں صحیح نیابت ہو سکے۔ اور یہ امر اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ قوم کی ایسی حالت نہ ہو جائے کہ سب لوگ مذہب اور پالیٹکس (POLITICS) کو الگ رکھنے کے عادی ہو جائیں۔ اور تمام اقوام کے تعلقات مضبوط ہو کر ایک ہندوستانی نیشنلٹی (NATIONALITY) پیدا ہو جائے اور اختلاف دور ہو جائے۔ اور اختلاف بالفاظ پروفیسر ایل۔ بی۔ مرے (L. B. MURREY) ایک دن میں اور سچی خواہشات سے دور نہیں ہو سکتا "بلکہ وہ صرف آہستہ آہستہ باہمی رواداری کے ذریعہ سے نسلوں کے بعد دور ہو سکتا ہے۔"

مسلمان کا چھٹا مطالبہ مذہب اور تمدن کی حفاظت

چھٹے امر کے متعلق مجھے اس جگہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں مذہب اور تمدن کی حفاظت کے متعلق اپنی مختلف تحریروں میں بہ تفصیل لکھ چکا ہوں۔ یہاں اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ تبلیغ مذہب اور تبدیلی مذہب ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہونی چاہئے۔

میرے نزدیک یورپ میں اقلیتوں کی حفاظت کیلئے جو کچھ کیا گیا ہے اس کی ایک مختصر فہرست شاید اس ہیڈنگ کی تفاصیل کیلئے مفید ہوگی۔ اس لئے میں ذیل میں چند وہ باتیں درج کرتا ہوں جو کہ اقلیتوں کی تہذیب اور ان کے مذہب کی حفاظت کیلئے ضروری سمجھی گئی ہیں۔ میرے نزدیک قانون اساسی بناتے وقت اور ہندو مسلم سمجھوتے کے وقت انہیں مدنظر رکھ لینا چاہئے۔

کانگریس آف برلن ۱۸۷۸ء میں رومانیہ کی آزادی کے اعلان کے وقت مسلمانوں اور یہودیوں کی حفاظت کیلئے یہ شرطیں کی گئی تھیں۔

اول:۔ مذہب' عقیدہ اور خاص اصول کی وجہ سے کسی کو دیوانی یا فوجداری حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا نہ سرکاری عہدوں' عزتوں یا مجالس سے محروم کیا جائے گا اور نہ مختلف پیشوں اور حرفتوں سے روکا جائے گا۔

دوم:۔ مذہبی مجالس کے بنانے یا تنظیم سے یا مذہبی پیشواؤں کی ملاقات سے ملک کے اندر یا باہر نہیں روکا جائے گا۔

لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) کی نگرانی کے ماتحت جو معاہدات

اقلیتوں کی حفاظت کیلئے ہوئے ہیں ان میں پولینڈ سے یہ اقرار لیا گیا ہے کہ ان ضلعوں اور شہروں میں جہاں اقلیت ایک معقول تعداد میں رہتی ہو۔ گورنمنٹ ذمہ دار ہوگی کہ پرائمری سکولوں میں اس کی زبان میں تعلیم دے۔ ایسے ضلعوں میں یہ بھی شرط رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی رقم سرکاری خزانہ سے تعلیمی، مذہبی یا خیراتی کاموں کے لئے دی جائے تو اقلیت کو بھی اس کی تعداد کے مطابق اس روپیہ میں سے حصہ دیا جائے۔ (مادہ نو) اور ان حقوق کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کسی صورت میں موقوف نہیں کئے جاسکتے۔

یہودیوں کے متعلق اسی معاہدہ کے مادہ دس میں لکھا ہے کہ جو روپیہ یہودیوں کی تعلیم کے لئے الگ کیا جائے گا وہ یہودیوں کی منتخب کردہ کمیٹیوں کی معرفت خرچ ہوگا۔ مادہ گیارہ میں لکھا ہے کہ یہودیوں سے کوئی ایسا کام نہ کرایا جائے گا جس کی وجہ سے ان کے سبت کی حرمت میں فرق آتا ہو۔ (جمعہ کی بے قدری کرنے والے مسلمان اس سے سبق حاصل کریں۔ یہ ایک مُردہ قوم کا حال ہے جب کہ مسلمانوں کا رسول ﷺ ابدی طور پر زندہ ہے) ہاں فوجی اور پولیس کی ضرورتوں کے وقت اس کا لحاظ نہیں رکھا جاسکے گا۔ انتخاب ہفتہ کے دن نہ ہوا کریں۔

یوگوسلیویا سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ان کی حکومت میں مسلمانوں کو قانون وراثت، طلاق، نکاح، حقوق زن و شوہر کے متعلق اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ (یاد رکھنے کے قابل ہے) حکومت مساجد، تکیوں اور دوسری مسلمانوں کی عمارات کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ اوقاف میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے گا۔ (یاد رکھنے کے قابل ہے) اور آئندہ نئے اوقاف یا ایسے صیغوں کے قیام میں کوئی روک نہ ڈالی جائے گی۔

زیکوسلویکا میں زبان کی تعلیم کو پرائمری تک محدود نہیں کیا گیا۔

البانیہ سے یہ معاہدہ لیا گیا ہے کہ اس میں ایسا طریق انتخاب جاری کیا جائے گا۔ جس میں اقلیتوں کے قومی مذہبی اور لسانی حقوق کی نگہداشت پوری طرح ہوتی جائے گی۔

جزائر الانڈ کے متعلق فن لینڈ سے یہاں تک معاہدہ لیا گیا ہے کہ جن سکولوں میں فنش زبان میں تعلیم دی جائے ان کے لئے الانڈ کے باشندوں سے روپیہ نہ لیا جائے۔

پولینڈ سے یہودیوں کے متعلق یہ اقرار بھی لیا گیا کہ یہودیوں کے مذہبی سکولوں میں تعلیم پانا بھی جبری تعلیم کے قانون کو پورا کرنے کا موجب سمجھا جائے گا۔ (مسلمان اسے بھی یاد

رکھیں) یہ بھی شرط رکھی گئی کہ یہودی ملازموں اور سپاہیوں کو نماز کیلئے وقت دیا جائے گا۔ انہیں ان کے مذہب کے مطابق غذا مہیا کر کے دی جائے گی۔ علماء فوجی جبری خدمت سے آزاد ہونگے۔ (یہ امور بھی فیصلہ کے وقت یاد رکھنے چاہئیں)

یہ امر بھی واضح ہونا چاہئے کہ کسی قوم کے بادشاہوں کو حقیر کر کے سکولوں کی کتابوں میں نہ دکھایا جائے گا۔ کیونکہ اس سے قومی کریکٹر بچوں کا تباہ ہو جاتا ہے۔ یورپ کی بعض حکومتوں میں کیا جاتا ہے اور ہندوؤں کے دماغ کی افتاد خاص طور پر اس ناپسندیدہ طریق کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔

اوپر کے بیان کردہ امور سے یہ امر بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ قومی حفاظت کے سوال کے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بات چھوٹی ہے یا بڑی۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے تو قوم کے کیرکٹر کا کیا حال ہوگا۔ پس ضروری ہے کہ مذہب اور تمدن اور زبان کی حفاظت کیلئے پورے سامان پیدا کر لئے جائیں۔

قوانین کے صحیح استعمال کی ضمانت

میں نے بتایا تھا کہ قوانین کے صحیح استعمال کی بھی کوئی ضمانت ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قانون کے صحیح استعمال کے بغیر قانون کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس غرض کے پورا کرنے کے دو طریق دنیا میں مقرر ہیں۔ (۱) اقلیت کو اس کی تعداد کے مطابق ہر قسم کی ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔ (۲) کوئی ایسی عدالتِ اپیل ہو جس کے پاس اختلاف کی صورت میں معاملہ پیش کیا جا سکے۔

مسلمانوں کی طرف سے پہلا مطالبہ ہمیشہ پیش ہوتا رہتا ہے۔ اور انہیں قابلیت کا عُذر پیش کر کے ہمیشہ ان کے حق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن یہ عُذر بالکل جھوٹا ہے۔ مسلمان ہرگز ناقابل نہیں ہیں بلکہ انہیں ناقابل ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ ایک مسلمان انگریز افسروں کے ماتحت ہر قسم کی ترقیات کا مستحق ہوتا رہا ہے، مگر ہندو افسر کے ماتحت آتے ہی ناقابل ہو جاتا ہے۔ پس ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی قابلیت میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہاں اس کی قابلیت کے چھپانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے اور انگریز حکام کو بھی شکایتیں کر کر کے بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہندو چونکہ پرانے زمانہ سے دفاتر میں گھسے ہوئے ہیں، وہ زیادہ بھی ہیں اور بڑے بڑے

عہدوں پر بھی سرفراز ہیں' انہیں انگریزوں کے کان بھرنے کا اچھا موقع ملتا ہے۔ اس وجہ سے بعض انگریز بھی خیال کرنے لگے ہیں کہ مسلمان نالائق ہیں۔ حالانکہ اگر ان عہدہ داروں کے ریکارڈ نکال کر دیکھے جائیں جن کو نالائق قرار دیا جاتا ہے تو اکثر ایسے نکلیں گے جو ہندو افسر کی ماتحتی میں آنے سے پہلے نہایت اعلیٰ ریکارڈ رکھتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انگریز افسر بھی بغیر محنت کے صرف سنی سنائی باتوں پر یقین لا رہے ہیں۔ اور ایک قوم کی قوم کے خون کرنے سے نہیں ڈرتے۔

تناسبِ آبادی کے مطابق ملازمتیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قوم کی تعداد کے مطابق عُہدوں کا مطالبہ رائج الوقت سیاست کے خلاف ہے۔ یورپ کی اقلیتوں کے متعلق یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس مطالبہ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان میں اس مطالبہ کو ادنیٰ اور فضول قرار دیا جائے۔ چنانچہ مثال کے طور پر پولینڈ کو ہی لے لو۔ اس میں یہودیوں کی اقلیت کے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ:-

"یہودیوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے گا۔" ۶۲؎

لٹویا حکومت کے انتظام کے دیکھنے کیلئے لیگ کی کونسل نے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس نے جو رپورٹ کی ہے' اس سے بھی معلوم ہوتا کہ اس اصل کو کس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔ کمیشن لکھتا ہے کہ یہودیوں سے انصاف نہیں ہوتا۔ حکومت کے عہدوں میں یہودی اپنی تعداد آبادی سے بہت کم حصہ پا رہے ہیں۔ ۶۳؎

ملازمتوں کا سوال نہایت اہم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمتوں کے سوال کو معمولی نہیں قرار دیا جاتا۔ اور اس کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر اک قوم اپنی تعداد کے مطابق حکومت کے عُہدوں میں حصہ پائے' تاکہ اس کے ہم مذہب اس امر کا خیال رکھ سکیں کہ اس قوم کے وہ حقوق جو قانون کے ذریعہ سے محفوظ کر دیئے گئے تھے قانون کے استعمال کے ذریعہ سے ضائع تو نہیں کر دئے گئے۔

غرض ملازمتوں میں مناسب حصہ پانا ہر اک قوم کی ترقی کیلئے ضروری ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ آئندہ نظام حکومت میں اس کا بھی انتظام کر لیا جائے۔

برطانیہ کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے

دوسرا طریق قانون اساسی کے استعمال کی حفاظت کا' اپیل ہے۔ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے اس میں دقتیں ہیں۔ ہندوستان کی حکومت کا منزلِ مقصود ڈومینین سلف گورنمنٹ (DOMINION SELF GOVERNMENT) رکھا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح راہ ہے۔ بعض لوگ تو اسے درمیانی راہ سمجھتے ہیں اور اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ضروری خیال کرتے ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اپنی ذات میں بھی یہ طریق حکومت بہترین ہے اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے۔ اس وقت نہ تو انگریز اس امر کو سمجھ رہے ہیں اور نہ ہندوستان اس امر کو سمجھتا ہے کہ برطانیہ کا مستقبل ایشیا اور خصوصاً اسلام سے وابستہ ہے۔ لیکن زمانہ مستقبل اِنْشَاءَ اللّٰہُ اس امر کو ثابت کر دے گا کہ حقیقت یہی ہے۔ انگلستان صدیوں کی عادت سے مجبور ہو کر اس امر کا اقرار کر سکے یا نہ کر سکے' حق یہی ہے کہ اس کی گرفت یورپ پر کمزور ہو چکی ہے۔ اس کا دبدبہ اب وہ نہیں جو پہلے تھا۔ اس کی جگہ آج ریاست ہائے متحدہ نے لے لی ہے۔ جس طرح کئی صدیاں پہلے انگلستان کی پالیسی تھی کہ یورپ کے معاملات میں دخل نہیں دینا۔ اسی طرح آج امریکہ کی بھی حالت ہے۔ مگر جس طرح انگلستان کو حالات سے مجبور ہو کر ایسی پالیسی کو بدلنا پڑا' اسی طرح ریاستہائے متحدہ کو بھی بدلنا پڑے گا۔ اور اس تبدیلی کے ساتھ ہی اس کی طاقت کا احساس بیرونی طاقتوں کو زیادہ ہونے لگے گا۔ اور انگلستان مجبور ہو گا کہ اپنی پوزیشن کے قیام کیلئے اور حلیف تلاش کرے۔ بلکہ یوں کہو کہ اور حلیف تراشے اور اس وقت سوائے ایشیاء کے اور خصوصاً اسلام کے ساتھ اتحاد کے بغیر انگلستان اپنا سر اقوام عالم میں اونچا نہیں رکھ سکے گا۔ جس طرح رومی حکومت جس وقت بازنطائن حکومت میں تبدیل ہوئی تھی تو اس کی طاقت کا انحصار ایشیاء پر ہو گیا تھا' اسی طرح انگلستان سے ہو گا۔ اور جس وقت یہ احساس انگلستان میں پیدا ہونا شروع ہو گا' اس وقت وہ اسلام کی طرف خاص طور پر توجہ کرے گا۔ جس طرح براعظم کی طاقتوں کی مخالفت نے رومن کیتھولک انگلستان کو پروٹسٹنٹ بنا دیا تھا' اسی طرح نئی مخالفت کا دور اس کے اندر ایک نئی مذہبی تبدیلی پیدا کر دے گا۔ اور اس کے افراد اپنے اندر ایک فکر کی آزادی محسوس کریں گے۔ اور اس وقت اسلام کے لئے ایک خاص موقع ہو گا۔ بہرحال انگلستان کا مستقبل ایشیا سے وابستہ ہے اور اس صورت میں یقیناً ایشیا کی ترقی میں انگلستان ایک بڑی مدد ثابت ہو گا۔ اور اس کا نیا نقطہ نگاہ اس کے موجودہ رویہ کو بالکل

بدل دے گا۔ پس نہ صرف وقتی تدبیر کے طور پر بلکہ ایک مستقل تدبیر کے طور پر انگلستان کے ساتھ اتحاد ہندوستان کے لئے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ اور انہیں موجودہ حالات کی بجائے ان تغیرات پر زیادہ نگاہ رکھنی چاہئے جو اس وقت پیدا ہو رہے ہیں اور جن کا اثر مستقبل میں ایسے طور پر ظاہر ہونے والا ہے کہ وہ موجودہ حالات کو بالکل بدل ڈالے گا۔

قانونِ اَساسی کے غلط استعمال پر اپیل کی گنجائش ہونی چاہئے

میں اصل مبحث سے کسی قدر دور جا پڑا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک اتنا دور نہیں کہ جتنا بادی النظر سے دیکھنے والا خیال کرے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ انگلستان سے تحالف جس کا بہترین ذریعہ بادشاہ انگلستان سے وابستگی ہے اور جسے دوسرے لفظوں میں ڈومینین سلف گورنمنٹ کہتے ہیں اس وقت ہندوستان کی حکومت کا مقصد رکھا گیا ہے۔ اور اس قسم کی حکومت کے ماتحت ایک غیر جانبدار جماعت کے پاس اپیل کا راستہ کھلا رکھا جا سکتا ہے۔ پس قانون اساسی میں اس کی اجازت ہونی چاہئے کہ جب کوئی فرد یا افراد دیکھیں کہ قانون اساسی کو حکومت غلط استعمال کر رہی ہے تو اس کے خلاف اپیل کر سکیں۔ اور یہ اپیل جیسا کہ دوسری ڈومینینز کے متعلق طے ہو چکا ہے' پریوی کونسل میں ہونی چاہئے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہندوؤں کے زور آور ہونے کی حالت میں ایسی اپیلوں کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جائے گی۔ مگر صوبہ جات کو حکومت خود اختیاری حاصل ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی آواز اس قدر کمزور نہ ہوگی۔ اور ضرور ایسی اپیلوں سے قانون شکنی میں ایک حد تک روک پیدا ہو جائے گی۔

قانونِ اَساسی میں تبدیلی

قانونِ اَساسی کے غلط استعمال کے علاوہ جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں۔ قانونِ اَساسی میں تبدیلی کے طریق کا بھی سوال ہے۔ اگر قانونِ اَساسی اس طرح تبدیل ہو سکے کہ جب چاہے اکثریت اسے بدل ڈالے' تو ہماری ساری بحثیں اور ہماری ساری کوششیں لغو اور فضول ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں جب چاہیں ہندو ان اختیارات کو جو اس وقت مسلمانوں کو مل جائیں سلب کر سکتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ قانونِ اَساسی کی تبدیلی کو ایسی شرائط سے مشروط کیا جائے کہ ایک بڑی بھاری قوم کی مرضی کے بغیر ہی اس میں تبدیلی اور تغیر نہ ہو سکے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ موجودہ قانون میں اس امر کا کوئی انتظام نہیں ہے بلکہ قانون اساسی کی تبدیلی کیلئے صرف دو تہائی ممبروں کے

ووٹ کافی رکھے گئے ہیں۔ پس چونکہ نہرو کمیٹی کی تجاویز کے مطابق کم سے کم پچھتّر فیصدی ہندو ممبر ضرور مرکزی پارلیمنٹوں میں ہونگے' اس لئے قانون اساسی کا صرف ہندو ووٹروں کی مدد سے بدلایا جاسکنا بالکل ممکن ہے۔ اور یہ صورت کہ ایک ملک کا قانون اساسی ملک کی ایک اہم اقلیت کی مرضی کے صریح خلاف بدلا جاسکے۔ ملک کے امن کا کبھی موجب نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم سے کم چونتیس یا تینتیس فیصدی کی جائے۔ تاکہ کوئی ایسی تبدیلی بغیر مسلمانوں کی رائے کے نہ ہوسکے۔

زائد نمائندگی خلاف اصول نہیں

یہ کہنا کہ اقلیتوں کو زائد نمائندگی دینا اصول کے خلاف ہے۔ دنیا کی کانسٹی ٹیوشنز (CONSTITUTIONS) سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ زیکو سلویکا میں اقلیتوں کو ان کی تعداد سے زائد حقوق دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ جرمن اقلیت نے پانچ اپریل ۱۹۲۲ء کو لیگ آف نیشنز میں جب شکایت کی کہ ان سے زیکو سلیویکا میں اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ تو جو جواب لیگ کو سلویکا گورنمنٹ نے دیا اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ:۔

"وہ (یعنی جرمن) باوجود اس کے قومی مجلس میں اپنی تعداد سے زیادہ نشتیں رکھتے ہیں۔ اور اگر انہیں کافی اکثریت حاصل ہو جائے تو قانون اساسی کو بدل سکتے ہیں۔" ۶۴

غرض میرے نزدیک ایک علاج موجودہ مشکل کا یہی ہے کہ مسلمانوں کو چونتیس (۳۴) یا کم سے کم تینتیس (۳۳) نشتیں مرکزی پارلیمنٹ اور سینٹ میں دی جائیں تاکہ ان کی رائے کے بغیر قانون اساسی نہ بدل سکے۔

اسلامی مفاد سے تعلق رکھنے والے امور میں تبدیلی

مذکورہ بالا علاج تو عام امور کے متعلق ہو گا لیکن بعض سوالات مسلمانوں کے خاص حقوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے نزدیک ان کی تبدیلی سوائے مسلمانوں کی مرضی کے کسی صورت میں نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ امور وہی ہیں جن کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں۔ ان امور کے متعلق لکھنؤ پیکٹ والا سمجھوتہ بہترین ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ان امور میں تبدیلی اس وقت تک نہیں ہونی چاہیئے کہ جب تک مرکزی پارلیمنٹ کے منتخب شدہ مسلمان ممبر دو تہائی ووٹ کے ساتھ کسی تبدیلی کے حق میں رائے نہ دیں۔ اس وقت

تک مذکورہ بالا امور کے متعلق جو قانون اساسی تیار ہو' اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اور نیز یہ کہ ایسے قانون کو صرف انہی صوبوں میں رائج کیا جا سکے جہاں کے دو تہائی مسلمان ممبر اپنے صوبہ میں اس کے اجراء کا فیصلہ کر دیں۔

ان احتیاطوں سے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہندو صاحبان ان احتیاطوں کے متعلق راضی نہ ہوں۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہئے

میں اس وقت تک نہرو رپورٹ کے ان ضروری امور کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں جن کا تعلق مسلمانوں کے مطالبات کے ساتھ ہے۔ پس اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

بہت سے لوگ ہونگے جو نہرو رپورٹ کے نقائص کو دیکھ کر یہ کہہ دیں گے کہ ہم اس رپورٹ کو تباہ کر دیں۔ لیکن میں اس رائے کے سخت مخالف ہوں۔ جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس سے قارئین سمجھ گئے ہونگے کہ اسلامی مفاد کی حفاظت کے معاملہ میں نہرو رپورٹ کی مخالفت میں کسی دوسرے شخص سے مَیں پیچھے نہیں ہوں۔ لیکن باوجود اس کے میں اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ اپنے رنگ کی پہلی کوشش ہے جس میں ہندوستانیوں کی طرف سے اپنے نصب العین کو تفصیلی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس لئے اس امر کی مستحق ہے کہ اگر اس کی اصلاح ہو سکے تو ہم اس کی اصلاح کر دیں اور اسے اپنا متفقہ مطالبہ بنالیں۔ وہ قوم جو ہر روز نئے سرے سے کام شروع کرتی ہے' اپنے کام میں ہرگز کامیاب نہیں ہوتی۔ نئے سرے سے کام شروع کرنے میں یہ نقص ہوتا ہے کہ سب سوالات پر پھر نئے سرے سے بحث ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ ان امور پر وقت خرچ کیا جاتا ہے جن پر ایک دفعہ وقت خرچ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور نیا جوش اور نیا ولولہ پھر اس مقام پر پہنچنے تک خرچ ہو جاتا ہے جس مقام تک کہ ہم پہلے پہنچ چکے تھے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کولہو کے بیل کی طرح دماغ' وقت' روپیہ بلکہ اتحاد کی قربانیوں کے بعد پھر اسی جگہ کھڑا رہتا ہے جس جگہ کہ وہ اس تحریک سے پہلے تھا۔ وہ قوم جو نئے سرے سے ریل اور تار کی ایجاد میں مشغول ہوگی تاکہ کسی کی ممنون احسان نہ ہو' کبھی دوسری اقوام کے مقابلہ پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہوگی۔ پس میرے نزدیک ہماری کوشش یہ نہ ہونی چاہئے کہ ہم اس رپورٹ کو تباہ کر دیں۔ بلکہ یہ کہ ہم اس رپورٹ میں اصلاح کریں اور اگر اس رپورٹ کے مرتب کرنیوالوں نے بعض اچھی باتیں لکھی ہیں تو ان کا فخر انہیں حاصل ہونے

دیں۔ اور اپنے کام کی بنیاد حسد اور افتراق پر نہیں بلکہ حب الوطنی اور اعترافِ خدمات پر رکھیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر ہم اس طرح کام کریں گے تو ہمارے لئے کامیابی آسان ہو جائے گی۔ ہمیں یہ نہیں بھلانا چاہئے کہ اس رپورٹ کے لکھنے والے خواہ کتنے ہی تجربہ کار اور خیر خواہِ ملک افراد ہوں مگر پھر بھی وہ ایک خاص مذہب اور سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے اور طبعاً ان کا میلان اس مذہب اور سوسائٹی کی طرف تھا۔ پس ہمیں ان کی اس بشری کمزوری اور نقص کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے معاملہ کرنا چاہئے۔ اور سوچنا چاہئے کہ اگر فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو شاید ہم میں سے بعض ویسی ہی کمزوری دکھاتے۔ پس میرے نزدیک ملک کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اس رپورٹ کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں نہ کہ تردید کی نظر سے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رپورٹ لکھنے والوں نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ان کی تجاویز ایسی ہیں کہ اگر انہیں قبول کرنا ہو تو یکجائی صورت میں وہ قبول کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ان کی اس رائے کا ملک پابند نہیں ہے۔ ان کے مدنظر رپورٹ لکھتے وقت یہ تھا کہ ہم کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں۔ اور ہمارے مدنظر یہ ہوگا کہ ہم اس کام میں سے اچھا اور برا الگ الگ چھانٹ لیں۔ پس ہمیں حق ہے کہ ہم مناسب تبدیلیاں کرکے اپنے ہمسایوں سے کہیں کہ آپ نے اپنی قوم کے فوائد کو سوچ لیا ہے۔ ہم نے اپنی قوم کے منافع پر غور کر لیا ہے۔ آؤ اب ملکر فیصلہ کر لیں کہ کس نقطہ پر ہم دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

ووٹ دہندگی کا سوال غور طلب ہے

میرے نزدیک صرف انہی مطالبات پر غور کرنا ضروری نہیں ہے جن کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی سوالات ہیں کہ جن پر اسلامی نقطہ نگاہ سے غور کرنا ہماوے لئے ضروری ہے۔ مثلاً ایک سوال حقِ ووٹ دہندگی کا ہے۔ یہ سوال بہت پیچیدہ ہے۔ میرے نزدیک عورتوں کا بھی حق ہے کہ وہ مشورہ میں حصہ لیں۔ اور ہم ایک حصۂ انسانی کو اس کے حقوق سے یکسر محروم نہیں کر سکتے۔ لیکن دوسری طرف اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر ہر بالغ مرد و عورت کو ووٹ کا حق دیا جائے تو مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اور ان کی عورتیں ان کے مَردوں سے بھی۔ پھر پردہ کا سوال ہے۔ ووٹ دینا اگر ہر ووٹر کے لئے جیسا کہ زیکوسلویکا اور بعض دوسری حکومتوں میں لازمی قرار دیا گیا ہے، یہاں بھی لازمی قرار دیا جائے۔ اور نہ دینے والے کو سزا ملے تب تو شاید مسلمان عورتیں

ووٹ دینے کیلئے نکلیں۔ ورنہ قریباً ناممکن ہے۔ پس ہمارے لئے غور کر کے کسی درمیانی نتیجہ پر پہنچنا نہایت ضروری ہے۔

خارجی تعلقات

دوسرا سوال خارجی تعلقات کا ہے۔ نہرو کمیٹی نے خارجی تعلقات کے متعلق صرف ایک مختصر سانوٹ دیا ہے۔ اور نہایت ہوشیاری سے اس کی تفصیلات میں پڑنے سے گریز کیا ہے لیکن جو کچھ انہوں نے اشارتاً کہا ہے۔ وہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔ ان کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ برطانیہ ہندوستانی گورنمنٹ کی وساطت سے جو معاملہ ہندوستان کے اردگرد کی ایشیائی حکومتوں سے کرتا ہے۔ وہی آئندہ ہندوستانی حکومت ان حکومتوں سے کرے۔ میرے نزدیک وہ دن اسلامی حکومتوں کیلئے نہایت ہی تاریک ہوگا جب عرب پر اُوم کا جھنڈا گاڑنے کی نیت رکھنے والے ہندوستان کی خارجی پالیسی کے نگران ہوئے اور افغانستان' ایران اور عرب کے تعلقات ان کے سپرد کئے گئے۔ انگلستان کے تعلقات ان ایشیائی حکومتوں سے بالکل ہی اور اصول پر مبنی ہیں۔ ان کی پشت پر اقتصادی برتری کا خیال متحرک ہے۔ لیکن آزاد ہندوستان کی حکومت جو ابھی سے سیاسی برتری کے خواب دیکھ رہی ہے ان تعلقات کو بالکل ہی اور نگاہ سے دیکھے گی۔ پس میرے نزدیک خارجی تعلقات برطانوی گورنمنٹ کے ہی ہاتھوں میں رہنے چاہئیں۔ سوائے ان چھوٹے معاملات کے جو تجارت' مسافروں' ڈاک خانہ اور اسی قسم کے چھوٹے معاملات سے تعلقات رکھتے ہیں۔ ورنہ ہندوستانی حکومت پاس کی اسلامی حکومتوں کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ دخل اندازی کی کوشش کرتی رہے گی۔

احترام جمعۃ المبارک

تیسرا سوال جمعہ کے احترام کا سوال ہے۔ قومی زندگی کے برقرار رکھنے کیلئے یہ سوال نہایت اہم ہے۔ اگر یہودی اپنی شریعت کے نزول کے ساڑھے تین ہزار سال بعد اپنے سَبَتْ کی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں اور مسیحی اتوار کی حفاظت معاہدات کے ذریعہ سے کراتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جمعہ کی نماز کیلئے سہولت کو قانون کا ایک اہم جزو قرار نہ دیں۔

اسلامی مذہبی قانون

چوتھا سوال اسلامی مذہبی قانون کا ہے۔ ایک مشترکہ حکومت میں خالص اسلامی قانون تو رائج نہیں ہو سکتا۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اہلی اور عائلی معاملات میں اسلامی قانون کے نفاذ پر زور نہ دیں۔

ہائیکورٹوں کے جج پانچواں سوال ہائیکورٹ کے ججوں کے متعلق ہے۔ صوبہ جات کی کامل خود اختیاری کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک ضروری ہے کہ صوبہ جات کے ہائیکورٹوں کے جج صوبہ جات ہی کی طرف سے مقرر کئے جائیں اور انہی کی کونسلوں کے فیصلہ پر ان کی علیحدگی وقوع میں آئے۔

نہرو رپورٹ نے اس کا اختیار گورنر جنرل کو دیا ہے۔ مگر آئینی گورنر جنرل اپنے وزراء کے مشورے پر کاربند ہونے پر مجبور ہوگا اور مرکزی حکومت کے وزراء تمام کے تمام یا اکثر ہندو ہی ہونگے۔ پس اگر اس طریق کو جاری کیا گیا تو تمام ہائیکورٹ ہندوؤں کے اختیار میں چلے جائیں گے۔ ہاں سپریم کورٹ گورنر جنرل کے ساتھ وابستہ ہونا چاہئے۔

علاوہ ان معاملات کے جو مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عام معاملاتِ حکومت کے متعلق بھی ہمارے لئے غور کرنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ نہرو رپورٹ کے لکھنے والوں نے ان نئی کانسٹی ٹیوشنز (CONSTITUTIONS) کا گہرا مطالعہ نہیں کیا جو جنگ کے بعد نئی حکومتوں نے اپنے لئے تجویز کی ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مزید غور سے نہرو رپورٹ کی تجویز کردہ کانسٹی ٹیوشن سے بہتر کانسٹی ٹیوشن تیار ہو سکتی ہے۔

ریاستوں کا سوال ریاستوں کا سوال بھی ابھی حل نہیں ہوا۔ نہرو کمیٹی کا تجویز کردہ طریقِ عمل نہ معقول ہے نہ ریاستوں کو منظور ہو سکتا ہے۔ انگریز تو ریاستوں پر اپنے غلبہ کی وجہ سے حکومت کر رہے تھے۔ آئندہ نظام حکومت میں ایک حصۂ ہندوستان کو دوسرے حصۂ ہندوستان پر حکومت کرنے کا اختیار کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ مزید غور کے بعد ایک ایسا نظام تجویز کیا جائے جو ایک طرف ہندوستان کے اتحاد میں فرق نہ آنے دے۔ اور دوسری طرف ہندوستان کے بعض حصوں کو دوسرے حصوں کے ماتحت نہ کر دے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ریاستوں کو کامل خود اختیاری حکومت دے کر جس میں وہاں کے باشندوں کے حقوق کی بھی حفاظت کر لی گئی ہو ایک مستقل انڈین امپیریل کانفرنس (INDIAN IMPERIAL CONFERENCE) کی بنیاد رکھی جائے۔ اور سینٹ کو اُڑا دیا جائے تو موجودہ مشکل کا ایک حل نکل سکتا ہے اس کانفرنس میں صوبہ جات کے نمائندے مجلسی کونسل کے نمائندے اور ریاستوں کے نمائندے ہوں۔ اور یہ ایسے امور کے متعلق فیصلہ کرے۔ جو صوبہ جات کے باہمی تعلقات یا اہم آل انڈیا (ALL INDIA) معاملات سے

تعلق رکھتے ہوں یہ کانفرنس واضع قوانین نہ ہو' بلکہ تنفیذی ہو یعنی ایڈمنسٹریٹو (ADMINISTRATIVE) معاملات کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مجلس کو پریوی کونسل کے طور پر مزید حقوق کے ساتھ گورنر جنرل سے وابستہ کر دیا جائے۔ اور قانون اساسی کے اختلافات کے متعلق بھی یہی رائے دیا کرے۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس

خلاصہ یہ کہ ہمیں نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر مزید غور کرنا چاہئے اور اس کے لئے اول تو ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہونی چاہئے۔ جس میں عام مسلمان فرقوں کے نمائندے طلب کئے جائیں۔ مجھے اس بات کو معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ ایسی کانفرنس کی بنیاد لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں نے رکھ دی ہے۔ اور دسمبر میں اس کے انعقاد کی تجویز ہو رہی ہے۔ اس لئے مجھے اس امر پر زیادہ زور دینے کی تو اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن میں اس کانفرنس کے داعیان کو اس امر کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اس کی دعوت کو جس قدر بھی زیادہ وسیع کریں' مفید ہو گا۔ اور ان کی کامیابی کا انحصار ان کی دعوت کی وسعت پر ہو گا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مخالف خیالات کے لوگوں کو کثرت سے دعوت دیں کانفرنس میں بولنے والوں کیلئے وقت کی تعیین کر دی جائے۔ جو موافق و مخالف پر یکساں حاوی ہو لیکن بولنے کا پورے طور پر ہر ایک کو موقع دیا جائے۔ اگر نہرو کمیٹی کے مخالف اور موافق دونوں فریقوں کو یکساں حقوق اور نمائندگی کے ساتھ اس میں شامل نہ کیا گیا تو مسلمانوں کی آواز کبھی مضبوطی کے ساتھ بلند نہ ہو گی۔ مخالفت سچائی کو کمزور نہیں کرتی' بلکہ مضبوط کرتی ہے۔ ہمیں اپنے ذاتی خیالات پر اسلام اور مسلمانوں کے فوائد مقدم ہونے چاہئیں۔ اگر کوئی شخص ہم سے بہتر خیالات رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے خیالات کو رد کر دیں۔ ہمیں اسے دور ہٹانے کی بجائے اسے قریب بلانا چاہئے اور اس کی رائے کو شوق سے سننا چاہئے۔ کیونکہ رائے کی مضبوطی ہم خیالوں کی تائید سے نہیں بلکہ مخالف کی تنقید سے ہوا کرتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس کانفرنس میں نہرو کمیٹی پر اصولی بحث کریں لیکن چونکہ ایسی کانفرنسوں میں تفصیلی طور پر غور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس لئے اصولی طور پر غور کرنے کے بعد ایک سب کمیٹی مقرر کرنی چاہئے۔ جو نہرو کمیٹی پر تفصیلی اور باریک نگاہ ڈالے اور اس کی خامیوں میں اصلاح کرنے کی اور کمیوں میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ اور ایک

مکمل نظام تیار کر کے جس میں نہ صرف اسلامی حقوق کی حفاظت کر لی گئی ہو' بلکہ دوسرے تمام امور کے متعلق بھی ایک مکمل قانون پیش کیا گیا ہو۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں پیش کرے۔ اور اگر کل مسلمان متحدہ طور پر اسے منظور کر لیں یا ان کی اکثریت اس کی تائید کرے۔ تو اس قانون اساسی کو شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ ایک مکمل قانون اساسی جو اثر پیدا کر سکتا ہے وہ محض تنقید نہیں پیدا کر سکتی۔ نہرو کمیٹی نے جو اس وقت شور پیدا کر دیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ایک مکمل قانون ہے۔ پس جب تک ہم بھی نہرو کمیٹی میں مناسب اصلاحات کر کے ایک مکمل قانون نہیں پیش کریں گے۔ اس وقت تک دنیا ہمیں ایک عملی سیاست دان کی حیثیت میں نہیں' بلکہ ایک حاسد تنقید کرنے والے کی شکل میں دیکھے گی۔

نہرو رپورٹ کے خلاف پروپیگنڈے کی ضرورت

دوسری بات جس کی ہمیں ضرورت ہے یہ ہے کہ ہر شہر اور قصبہ میں جلسے کر کے یہ ریزولیوشن پاس کئے جائیں کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ سے ہم متفق نہیں ہیں اور ان جلسوں کی رپورٹوں کو گورنمنٹ کے پاس بھی بھیجا جائے۔ کیونکہ تعاون یا عدمِ تعاون کے سوال سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ نہرو کمیٹی گورنمنٹ کے حلقوں میں ایک خاص جنبش پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اور اگر مسلمانوں نے ایک پُراثر اور پُرزور آواز نہ اٹھائی تو یقیناً گورنمنٹ بھی اور دوسرے لوگ بھی یہی خیال کریں گے کہ مسلمان اس رائے سے متفق ہیں۔ اور اگر اس غلط خیال کے ماتحت آئندہ نظام حکومت میں بعض ایسی تبدیلیاں کر دی گئیں جو مسلمانوں کے خلاف ہوں تو یقیناً جاری شدہ قوانین میں تبدیلی مشکل ہو جائے گی اور "سٹیٹس کو" (STATUS QUO) کا پرانا مسئلہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت میں روک بن جائے گا۔

مسلمانوں کو حالات سے آگاہ کرنے کی ضرورت

علاوہ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ ملک میں عام طور پر جلسے کر کے مسلمانوں کو ان کی بہتری اور ان کے فائدہ سے آگاہ کیا جائے نہرو رپورٹ کے حامی ہر جگہ پہنچ کر اپنے خیالات منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے مخالفوں میں سے بہت ہی کم ہیں جو عامۃ المسلمین کو اس کی خرابیاں بتانے کی طرف متوجہ ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ سیاست کے پیچیدہ مسائل بغیر سمجھائے کے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ مسٹر گاندھی کی ساری طاقت

ان کے روئے سخن کی تبدیلی میں پوشیدہ تھی۔ ان سے پہلے لیڈر ملک کے بہترین دماغوں کو مخاطب کرنے میں ہندوستان کی کامیابی کا راز مضمر سمجھتے تھے۔ گاندھی نے اپنا رخ عوام الناس کی طرف پھیر دیا۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ حکومت جمہوری کا مطالبہ کرنے والے جمہور کو اپنے ساتھ ملائے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک طرف تو جمہوری حکومت کا مطالبہ کرے اور دوسری طرف جمہور سے پیٹھ پھیرے رکھے۔ پس ضروری ہے کہ عامۃ المسلمین کو موجودہ حالات سے آگاہ کیا جاوے۔ اور ہر شہر ہر قصبے اور ہر گاؤں میں جلسے ہوں اور مسلمانوں کو حقیقت حالات سے آگاہ کیا جاوے اور ان کی رائے کو مضبوط کیا جاوے۔ بڑے. آدمیوں کی کانفرنس صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں بے شک مُمِدّ ہو سکے گی۔ لیکن وہ اس وقت تک کامیاب بنا دینے والے زور سے خالی رہے گی جب تک جمہور اس کی پُشت پر نہ ہوں۔

جماعت احمدیہ ہر جائز اعانت کے لئے تیار ہے

میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں باقی تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ مل کر ہر قسم کی جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور میں احمدیہ جماعت کے وسیع اور مضبوط نظام کو اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام جائز صورتوں میں لگا دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔

انگلستان کی رائے کو بدلنے کی کوشش

ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم انگلستان کی رائے پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کریں۔ میں نے سر دست اس کے لئے تجویز کی ہے کہ اپنے اس مضمون کا انگریزی ترجمہ کرا کے پارلیمنٹ کے ممبروں اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں میں تقسیم کراؤں تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو کہ نہرو رپورٹ کے لکھنے والے فرقہ وارانہ تعصب سے بالا نہیں رہ سکے اور اس میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت پورے طور پر نہیں کی گئی۔

ممبران پارلیمنٹ سے تعلقات کا فائدہ

مجھے نہایت افسوس ہے کہ ہندو انتہا پسند باوجود اپنے عدم تعاون کے دعووں اور سٹیجوں پر کھڑے ہو کر گورنمنٹ برطانیہ کو گالی دینے کے برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کو اپنے زیر اثر لانے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت دو تین درجن پارلیمنٹ کے ممبر انتہا پسند ہندوؤں کے گہرے دوست ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں

سے حقیقی رنگ میں ہمدردی رکھنے والا ایک ممبر بھی نہیں۔ اسی طرح انگریزی پریس کے ایک حصہ پر بھی ہندو اثر رکھتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اور اس وجہ سے انگلستان کے سیاسی حلقوں میں ہندوؤں کی آواز کو جو اثر حاصل ہے، مسلمانوں کی آواز اس سے محروم ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک ہندو عدم تعاونی کو تو ضرورت ہو کہ وہ باوجود عدمِ تعاون پر عمل کرنے کے شخصی طور پر انگریز مدبّرین کو متأثر کرنے کی کوشش کرتا رہے لیکن ایک مسلمان کے لئے یہ کام حرام ہو۔ زیادہ سے زیادہ ایک عدم تعاونی یہی کہے گا کہ انگریز ہمارے دشمن ہیں، لیکن کیا کوئی عقل مند بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ دشمن کے آدمی کو توڑ کر اپنے ساتھ ملانا بُرا ہے۔ میں تو انگریزوں کو اپنا دوست ہی سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں اور اسلام کا مستقبل روز بروز متحد ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن جو انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ دشمن کے آدمیوں کو توڑ کر اپنے ساتھ ملانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ تو جنگ کی حکمتوں میں سے ایک بہترین حکمت ہے۔ اور جنگی حکمتوں کو ترک کرنے والا خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

مسلمانوں کو نصیحت

میں اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے تمام مسلمانوں کو پھر نصیحت کرتا ہوں کہ یہ وقت ان کے لئے بہت نازک ہے۔ چاروں طرف سے تاریک بادل اُمڈے آرہے ہیں۔ زمانہ مسلمانوں کو ایک اور زخم دینے کو تیار ہے۔ ایک دفعہ پھر وہ بنیادیں جن پر انہیں عظیم الشان اعتماد تھا، ہل رہی ہیں۔ وہ عمود جن پر ان کے نظام کی چھتیں رکھی گئی تھیں، متزلزل ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں وہ اپنا سپاہی سمجھتے تھے، دشمن کی فوج میں شامل ہو کر ان سے لڑنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی عقل اور ان کی دانش کے امتحان کا وقت پھر آرہا ہے۔ خدا پھر دیکھنا چاہتا ہے کہ پچھلی مصیبتوں سے انہوں نے کیا حاصل کیا ہے۔ اور پچھلے تجربوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ پس یہ وقت ہے کہ وہ بیدار ہوں، ہوشیار ہوں، زور دار تحریروں اور لچھے دار تقریروں کی سحرکاریوں سے متأثر ہونے کی بجائے ان آنکھوں سے کام لیں جو خدا نے انہیں دی ہیں۔ اور ان کانوں سے کام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے۔ اور اس دل و دماغ سے کام لیں جو ان کے رب نے انہیں بخشا ہے۔ اور اس بات کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ وہ ذلّت کی چادر جو انہیں پہنائی جاتی ہے، وہ اسے ہرگز نہیں پہنیں گے۔ خدا نے مسلمانوں کو معزّز بنایا تھا۔ مگر انہوں نے خود اپنے لئے ذلّت خریدی۔ لیکن اب ان کو چاہئے کہ

وہ ذلّت کے جامے کو اُتار پھینکیں۔ اور اپنی موروثی عزت کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لیں۔ ہاں مگر یاد رہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ تو جس سے بھی محبت کرتا ہے' اس سے بھی حدود کے اندر ہی محبت رکھ۔ اور جس سے بُغض رکھتا ہے' اس سے بھی حدود کے اندر ہی بغض رکھ۔ شرافت کا امتحان مخالفت ہی کے وقت میں ہوتا ہے۔ پس اپنے حقوق کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ لیکن ایسے ذرائع اختیار نہ کریں جو دین اور دیانت کے خلاف ہوں۔ میں حیران ہوں کہ کیوں ان لوگوں کے منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو مخالف خیالات رکھتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان کی سنیں اور اپنی سنائیں۔ خیالات کا اختلاف تو دنیا کی ترقی کی کلید ہے۔ پس اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر کوئی بددیانتی کرتا ہے تو اپنی بددیانتی کی سزا پائے گا۔ لیکن اگر وہ نیک نیتی سے ہمیں اپنے خیالات سنانا چاہتا ہے۔ تو اس کی مخالفت کر کے خواہ ہم حق پر ہی ہوں' اپنے لئے نیکی کے دروازے بند کر دیں گے۔ بجائے جنگ و جدل کے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک مستقل اور نہ ختم ہونے والی جدوجہد کو اختیار کریں۔ اور گالی کا جواب محبت سے اور سختی کا جواب نرمی سے دیں۔ تا کہ دنیا کو یہ معلوم ہو کہ ان کے اندر ایک ایسی طاقت ہے جسے بُغض و عناد کی آندھیاں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ اپنے نفوس پر اعتماد رکھتے ہیں اور مضبوط چٹانوں کی طرح ہیں جو ہر حالت میں اپنی جگہ قائم رہتی ہیں نہ کہ چھوٹے کنکروں کی طرح کہ جو تھوڑی سی ہوا پر اودہم مچا دیتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاکسار

مرزا محمود احمد

۱؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۷' ۱۸

۲؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۹۵

۳؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۲۵

۴؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۳۲

۵؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸

۶؎ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۳

ےہ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ کالم ۳

۸ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۰۰

۹ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۱۱

۱۰ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۰۵

۱۱ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۰۹

۱۲ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۲۱

۱۳ہ **مانٹیگ** چیمسفورڈ سکیم (MONTEGUE CHELMSFORD SCHEEM) جنگِ عظیم اول میں حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے حکومت کو امداد پہنچائی تو انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات کا مستحق سمجھا جائے گا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو ہندوستانیوں کی طرف سے مطالبات شروع ہوئے جو ایجیٹیشن کا رنگ اختیار کر گئے لارڈ چیمسفورڈ جو لارڈ ہارڈنگ کے بعد ۱۹۱۶ء میں ہندوستان آئے تھے اور اب وائسرائے تھے نے مسٹر مانٹیگو (MONTEGUE) کی معیّت سے ہندوستان کے سیاستدانوں اور مدبروں سے تبادلہ خیالات کر کے ایک مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم بنائی جو پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کا نفاذ ۱۹۲۱ء میں ہوا جس کے تحت ہندوستانیوں کو حکومت کے انتظام میں حصہ دیا گیا اور بعض وزارتوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کیا گیا۔

۱۴ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۲

۱۵ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۴

۱۶ہ حکومتِ خود اختیاری

۱۷ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۹

۱۸ہ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۰۲

۱۹ہ لاء آف کانسٹی چیوشن مصنفہ اے وی ڈائس

۲۰ہ The Encyclopeadia Britannica 13th Edition p.444. Published 1926

۲۱ہ The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 7-8

۲۲ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 30

۲۳ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 30

۲۴ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 209

۲۵، ۲۶ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 212

۲۷ے The Protection of minorities by L.P..Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 213

۲۸ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 216

۲۹، ۳۰ے نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸

۳۱ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 114

۳۲ے The Protection of minorities by L.P.Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 54

۳۳ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 120

۳۴ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 144

۳۵ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 20

۳۶ے The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London.

۳۷ے نہرو رپورٹ صفحہ ۱۲۳

۳۸ے نہرو رپورٹ صفحہ ۵۴

۳۹ے نہرو رپورٹ صفحہ ۶۸

۴۰ے نہرو رپورٹ صفحہ ۶۷

۴۱ے نہرو رپورٹ صفحہ ۶۹

۴۲٬۴۳؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۸

۴۴؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۱۴۹

۴۵؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۸

۴۶؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۶

۴۷؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۱

۴۸؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۶۷

۴۹؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۲

۵۰؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۱٬ ۵۲

۵۱؎ انڈمان: انڈمان اور نکوبار جزائر۔ یہ علاقہ انڈمان کے دو سو جزیروں اور ۹۰ میل کے فاصلے پر ان کے جنوب میں نکوبار کے اُنیس جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ جزیرے ساتویں صدی میں دریافت ہو چکے تھے۔ ۱۸۵۸ء سے ہندوستان کی انگریزی حکومت نے جزائر اَنڈمان میں ان لوگوں کو قیدی بنا کر بھیجنا شروع کیا جنہیں کسی سیاسی یا دوسری نوعیت کے شدید جُرم کی پاداش میں حبسِ دوام یا جلاوطنی کی سزادی جاتی تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں لوگ اسے کالا پانی کہتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا۔ جزائر اَنڈمان میں نکوبار کو شامل کر کے بھارت نے ایک نیا صوبہ بنا دیا جسے انڈمان اور نکو بار کہتے ہیں۔ اس کا صدر مقام پورٹ بلیئر ہے جو کلکتہ سے ۷۸۰ میل کی دوری پر جانبِ جنوب مشرق واقع ہے۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۴۰٬ ۱۴۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵۲؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۱

۵۳؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۳۵

۵۴٬ ۵۵؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۲۹

۵۶؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۲

۵۷؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸

۵۸؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۴۹

۵۹؎ نہرو رپورٹ صفحہ ۴۷

۶۰ نہرو رپورٹ صفحہ ۵۴

۶۱ The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 9

۶۲ The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 97

۶۳ The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 113

۶۴ The Protection of minorities by L.P. Mair, Chapel River Press Kingston Surrey London. P. 120